اردو زبان میں پہلی بار سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ردیف وار معلومات

# انسائیکلوپیڈیا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سرورِ دو جہاں، رحمتِ کون و مکاں
خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حیاتِ مبارکہ پر مستند اور مفصّل معلومات
علمِ حدیث پر پُر مغز تحریرات
انبیاءِ کرام، صحابۂ کرام، محدثینِ عظام کے سوانحی حالات
ایک ہزار کے قریب عنوانات حروفِ تہجّی کی ترتیب میں
جس کی وجہ سے مضمون تلاش کرنا نہایت آسان

مرتّبہ:
سیّد عرفان احمد



زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی
فون ۲۷۲۵۶۷۳

کتاب کا نام ــــ سیرت النبی ﷺ (انسائیکلوپیڈیا)

تاریخ اشاعت ــــ اکتوبر ۲۰۰۵ء

باہتمام ــــ احباب زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ــــ فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

سرورق ــــ احباب زمزم پبلشرز

مطبع ــــ

ناشر ــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2725673 - 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

## ملنے کے دیگر پتے

- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

## ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کرسکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں اس کی تصحیح واصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں۔

تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ اور آپ "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" کے مصداق بن جائیں۔

جَزَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى جَزَاءً جَمِيْلًا جَزِيْلًا

ــــ مِنجانب ــــ

احبابِ زمزم پبلشرز

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

**AL-FAROOQ INTERNATIONAL**
36,Rolleston Street Leicestor
LE5-3SA
Ph: 0044-116-2537640
Fax: 0044-116-2628655
Mobile: 0044-7855425358

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام

# انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ سے استفادہ کیسے؟

- انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ میں تمام معلومات ردیف وار (الف ب ج کی ترتیب میں) دی گئی ہیں۔
- آپ جس موضوع کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے بنیادی عنوان کے تحت مطلوبہ لفظ حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے تلاش کیجئے۔ مثال کے طور پر آپ نبی کریم ﷺ کی والدۂ محترمہ ''حضرت آمنہ'' کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو لفظ ''آمنہ'' حرف ''آ'' کی ذیل میں تلاش کیجئے۔
- ایک ہی موضوع پر معلومات کئی عنوانات میں درج ہوسکتی ہیں۔ ایسا اس موضوع کی نوعیت کے مطابق کیا گیا ہے تا کہ قاری کو کسی بھی واقعے/معلومات کا پس منظر سمجھنے میں آسانی ہو اور سیرت کے نئے قاری کے ذہن میں کوئی اشتباہ یا اشکال پیدا نہ ہو۔ مثلاً لفظ آمنہ ہی کو لیجئے، ''آباؤ اجداد نبوی ﷺ'' کے ذیل میں بھی آپ کو حضرت آمنہ کے بارے میں معلومات ملیں گی۔
- انسائیکلوپیڈیا کے شروع میں فہرست مضامین دی گئی ہے۔ یہ فہرست اس ترتیب سے ہے، جس ترتیب سے تمام اندراجات درج کیے گئے ہیں۔ اس کی مدد سے ایک نظر میں تمام عنوانات سامنے آجاتے ہیں۔
- کسی شخصیت یا کسی خاص واقعے کی معلومات حاصل کرنے کے لیے اس شخصیت یا واقعے کے مرکزی لفظ کو بنیاد بنا کر مضمون تلاش کیجئے۔ مثال کے طور پر آپ غزوۂ بدر کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو ''بدر، غزوہ'' کے تحت غزوۂ بدر کے بارے میں معلومات آپ کو ملیں گی۔ اسی طرح حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں معلومات ''انور شاہ کشمیری، مولانا'' کے ضمن میں ملیں گی۔
- ⇦ یہ نشان آپ کو ہر صفحہ پر کئی جگہ ملے گا۔ اس نشان کا مطلب ہے کہ آپ جو مضمون پڑھ رہے ہیں، اس سے متعلق مزید معلومات کے لیے مزید عنوانات میں بھی یہ موضوع ملے گا، اور ⇦ سے آگے جو عنوانات ہیں وہ زیر مطالعہ مضمون سے متعلق مزید عنوانات/اندراجات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔



# عرضِ مرتّب

مجمع جمع تھا اور لوگ محوِ سماعت تھے۔ نبی کریم ﷺ مصروفِ گفتگو تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، مجمع کے کناروں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے مجلس کے کناروں پر کھڑے لوگوں کو بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود مسجد نبوی ﷺ سے باہر سڑک پر تھے، مسجد کی طرف آ رہے تھے، لیکن مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم سنا تو وہیں سڑک پر بیٹھ گئے۔ خطبے کے بعد آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حکم تو مجلس کے کناروں پر کھڑے لوگوں کے لیے تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کی کہ جب حضور (ﷺ) کا حکم کانوں میں پڑ گیا کہ ''بیٹھ جاؤ'' تو پھر عبداللہ بن مسعود کی مجال نہیں تھی کہ وہ ایک قدم بھی آگے بڑھائے۔

یہ اسلام کے قرنِ اول کا عشق رسول ﷺ کا ایک واقعہ ہے جو آج کے مسلمانوں کے لئے نمونہ تقلید وعمل ہے۔

فخر موجودات، سرور کون و مکاں، رحمت دو جہاں، حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی سے عشق ومحبت کے اظہار کے لیے آج پندرھویں صدی ہجری تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، پڑھا جا چکا ہے، کہا جا چکا ہے۔ کسی نے نثر کو عشق رسول ﷺ کے اظہار کا ذریعہ بنایا تو کسی نے نظم کی خداداد صلاحیت سے نبی اکرم ﷺ کا نام نامی بلند کیا۔ آنحضرت ﷺ کی حیات پر اب تک جتنا کام ہوا ہے بلاشبہ اب تک پوری دنیا میں کبھی کسی شخصیت پر اتنا کام نہیں ہوا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ تمام شخصیات کے کارنامے وقتی تھے اور نبی کریم ﷺ جو انقلاب لائے، وہ رہتی دنیا تک مثالی اور باقی رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ پر دنیا کی تمام ہی زبانوں میں کم وبیش کام ہوا ہے۔ اردو زبان اس معاملے میں نہایت ممتاز ہے کہ اس زبان میں سیرت پر


## مرتب کے بارے میں

● ۱۹۹۰ء سے فروری ۱۹۹۲ء تک ممتاز صحافی سید قاسم محمود کی زیر ادارت شائع ہونے والے سائنسی رسالہ ''سائنس میگزین'' سے ادارتی وابستگی۔

● جولائی ۱۹۹۲ء سے فروری ۲۰۰۵ء تک شہید پاکستان حکیم محمد سعید کی یادگار اور معروف صحافی مسعود احمد برکاتی کی زیر ادارت شائع ہونے والے پاکستان کے معروف ومقبول رسالہ ماہ نامہ ''ہمدرد صحت'' کی ادارتی ٹیم میں شمولیت۔

● **کامیابی ڈائجسٹ**: مئی ۲۰۰۵ء سے اجراء، جو اپنے موضوع کے لحاظ سے پاکستان کا پہلا اور واحد رسالہ ہے۔ مزید معلومات کے لئے: www.kamyaby.com

● اسلام اور سائنس کے موضوعات پر مختلف جرائد واخبارات میں مضامین کی اشاعت۔

● **انسائیکلوپیڈیا قرآنیہ**: قرآن پاک کے بارے میں ردیف وار معلومات، اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا کام۔ تعارف وفہم قرآن کے لئے لازمی کتاب۔

● **انسائیکلوپیڈیا اسلامیہ**: اسلام پر جامع ترین، مستند آن لائن انسائیکلوپیڈیا، جس کی خوبی یہ ہے کہ اسے انٹرنیٹ کے ذریعے دیکھا جا سکے گا۔ دنیا میں کہیں سے بھی گھر بیٹھے اسلام کے بارے میں ہزارہا معلومات حاصل کی جا سکیں گی۔

URL: www.allaahuahad.com

انسائیکلوپیڈیا کا ایک ورژن سی ڈی میں بھی دستیاب ہے۔

● **انسان، پیدائش تا موت**: استقرار حمل سے لے کر موت تک انسانی جسم میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں تازہ ترین حقائق پر مشتمل ایک دل چسپ، معلوماتی، باتصویر کتاب۔

● **کامیابی کے نکتے**: روزنامہ اسلام کا ہفتہ وار کالم۔ زندگی کو کامیاب، پرسکون، پر ثروت بنانے والے نکتے۔

● اچھی ملازمت صرف تیس دن میں ● آسان باڈی بلڈنگ ● نوجوانوں کے جنسی مسائل ● لافانی زندگی۔

سید عرفان احمد سے رابطہ: info@allaahuahad.com

یا پوسٹ بکس نمبر 13674، کراچی

مثالی، منفرد اور بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

میں نے جب سیرت پر کام کرنے کا سوچا تو ہر قلم کار کی طرح سب سے پہلے یہ سوال اپنے آپ سے کیا کہ سیرت النبی ﷺ پر کون سا ایسا کام ہوسکتا ہے جو اَب تک کے تمام کاموں سے منفرد ہو! یہ سوال ذہن میں آتے ہی ذہن اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں سرگرداں ہو گیا، یہاں تک کہ انسائیکلوپیڈیا سیرت النبی ﷺ کا خیال ذہن میں آیا۔ صحافت کے میدان میں محترم سید قاسم محمود میرے ابتدائی اساتذہ میں سے ہیں جنہیں ردیف وار انسائیکلو پیڈیا پر کام کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔ اس لیے میرے ذہن میں بھی درج بالا سوال کا جواب یہ ذہن میں آیا کہ سیرت پر ردیف وار انسائیکلو پیڈیا ہی کیوں نا تیار کیا جائے!

آج تک دنیا کی کسی بھی زبان میں (کم از کم میرے ناقص علم کے مطابق) اس طرز پر سیرت پر معلومات کو جمع نہیں کیا گیا۔ چنانچہ میں نے اللہ عزوجل کا نام لے کر ستمبر ۱۹۹۷ء میں ردیف وار ''انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ'' پر کام کا آغاز کیا۔ وقت اور حالات کے نشیب وفراز زندگی کے ساتھ ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کی ترتیب میں بھی یہ نشیب وفراز ساتھ رہے۔ کبھی یہ کام بالکل چھوٹ گیا تو کبھی بڑے جوش وجذبے سے میں اس کام میں جت گیا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے تمام نشیب وفراز کے باوجود اس پُرسعادت کام میں استقامت بخشی، کام پایۂ تکمیل کو پہنچا اور محمد رفیق صاحب (زم زم پبلشرز) سے ملاقات کا موقع ملا۔ اس ملاقات کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ اس وقت آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔

انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کی ترتیب وپیش کش میں حد درجہ احتیاط کی کوشش کی گئی ہے اور اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی بھی معلومات کو اجماعِ امت سے ہٹ کر خلاف حقیقت نہ بیان کی جائے۔ صرف مستند باتیں ہی درج کی جائیں۔ تاہم انسان ہونے کے ناتے اور اس بنا پر خطا کا پتلا ہونے کی وجہ سے اس بات کا امکان موجود ہے کہ کہیں کوئی سہو ہوگئی ہو، اس لیے اگر قارئین انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ میں کسی مقام پر کوئی سہو نوٹ کریں تو برائے مہربانی زم زم پبلشرز یا براہ راست مجھ سے رابطہ کر کے اس سہو کی طرف توجہ دلائیں۔

انسان اس دنیا میں ہر کام کے لیے اللہ کی توفیق اور لوگوں کے تعاون کا محتاج ہے۔ انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کی ترتیب وتدوین کے دوران میں بھی مجھے معاونت ومشاورت کی ضرورت رہی۔ اس سلسلے میں میں حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب (استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ، کراچی) محترم حافظ ابن احمد نقشبندی (ماہ نامہ الفاروق)، محترم علیم احمد (ماہ نامہ گلوبل سائنس)، اور بالخصوص محمد رفیق صاحب (زم زم پبلشرز) کا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات کے مخلصانہ مشوروں، ہمدردانہ تعاون ورہنمائی کے ذریعے سے یہ کام مکمل ہوسکا۔

انسائیکلو پیڈیا سیرت النبی ﷺ کا دوسرا ایڈیشن پیش ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ ناچیز کی اس کوشش کو قبول فرمائیں اور آئندہ بھی قلم کی صلاحیت کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

اللہ کا عاجز بندہ

عرفان احمد

# فہرست مضامین

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

## خ



## د

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

| عنوان | صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|

# حیاتِ نبوی ﷺ —— ایک نظر میں

| | |
|---|---|
| ربیع الاول، ۱۲۲اپریل ۵۷۱ء، بروز پیر موسم بہار، صبح صادق کے وقت مکہ کے محلہ سوق اللیل میں | رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ ولادت کے وقت ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ فارس کے آتش کدے کی آگ بجھ گئی اور دریائے سادہ خشک ہوگیا۔ |
| ولادت کے سات دن بعد | جناب عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا۔ |
| ولادت کے سات دن بعد | حضرت حلیمہ سعدیہ کی آغوش رضاعت میں۔ ⇦ حلیمہ سعدیہ۔ |
| عمر مبارک ۴ سال | حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس قبیلہ بنو سعد میں شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ یہ سب سے پہلا شق صدر ہے کہ جس میں حضرت جبرئیل تشریف لائے اور آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے قلب اطہر کو سونے کے طشت میں آب زم زم سے دھویا۔ ⇦ شق صدر |
| عمر مبارک ۴ سال | اپنی والدہ حضرت آمنہ کی آغوش میں آ گئے۔ ⇦ آمنہ |
| عمر مبارک ۶ سال | اپنی والدہ کے ساتھ یثرب (مدینہ منورہ) کا سفر کیا۔ ⇦ یثرب + مدینہ |
| عمر مبارک ۶ سال | مدینہ سے واپسی پر مقام ابوا میں آپ ﷺ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ |
| عمر مبارک ۶ سال | جناب عبدالمطلب کی زیر کفالت آ گئے۔ |
| عمر مبارک ۸ سال | جناب عبدالمطلب کی وفات۔ ⇦ عبدالمطلب |
| عمر مبارک ۸ سال | جناب ابوطالب کی زیر کفالت۔ ⇦ ابوطالب |
| عمر مبارک ۱۲ سال | جناب ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر۔ ⇦ بچپن محمد ﷺ |
| عمر مبارک ۱۵ سال | جنگ فجار میں شرکت۔ ⇦ فجار، جنگ |
| عمر مبارک ۱۶ سال | حلف الفضول نامی معاہدے میں شرکت۔ ⇦ حلف الفضول |
| عمر مبارک ۲۵ سال | قریش مکہ کی طرف سے صادق اور امین کا لقب دیا گیا۔ |
| عمر مبارک ۲۵ سال | حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر سفر شام پر تشریف لے گئے۔ ⇦ خدیجہ، ام المؤمنین |
| عمر مبارک ۲۵ سال | حضرت خدیجہ سے عقد نکاح۔ |
| عمر مبارک ۳۵ سال | آنحضرت ﷺ نے کعبہ میں حجر اسود نصب فرمایا اور قبائل عرب کے ایک بہت بڑے اختلاف کو ختم فرما دیا۔ |
| عمر مبارک کا چالیسواں سال | اس سال کا زیادہ حصہ آپ ﷺ نے غار حرا میں گزارا۔ ⇦ حرا، غار |

## ۱ نبوی

| | |
|---|---|
| ۱۲ ربیع الاول بروز پیر | بعثت نبوی ﷺ۔ |
| ربیع الاول سے رمضان تک | ۶ ماہ تک رویائے صادقہ کا سلسلہ جاری رہا۔ |
| ربیع الاول سے رمضان تک | بعثت نبوی کے اس دور میں شجرو حجر بارگاہ نبوت میں سلام عرض کرتے تھے۔ |
| رمضان، شب قدر | حضرت جبرئیل امین قرآن حکیم کی وحی لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات اقرا باسم ربک الذی خلق سے مالم یعلم تک نازل ہوئیں۔ |
| رمضان، شب قدر | حضرت جبرئیل نے آنحضرت ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا۔ آپ ﷺ کو دو وقت کی نماز دو گانہ فجر اور دو گانہ عصر کا حکم دیا گیا۔ |

## ۲ نبوی، ۳ نبوی

آنحضرت ﷺ دین اسلام کی خفیہ تبلیغ فرماتے رہے اور مندرجہ ذیل اہم شخصیات ایمان لائیں: حضرت خدیجۃ الکبری، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص وغیرہ۔

## ۴ نبوی

آنحضرت ﷺ نے اعلانیہ تبلیغ کا آغاز فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے اعزہ و اقارب کو علی الاعلان دین اسلام کی دعوت دی۔ کفاران مکہ اور خصوصاً قریش نے آنحضرت ﷺ سے بغض و عداوت کا کھل کر مظاہرہ شروع کر دیا اور آپ ﷺ کی ایذا رسانی کے لئے منظم ہو گئے۔

کفار مکہ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کے خلاف وفد کی صورت میں ابوطالب کے پاس گئے۔

## ۵ نبوی

| | |
|---|---|
| رجب المرجب | مسلمانوں نے کفار کی ستم رانیوں سے تنگ آکر مکہ چھوڑا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس ہجرت میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں جن میں حضرت عثمان اور حضرت رقیہؓ بھی تھے۔ ⇐ ہجرت حبشہ + اصحمہ + نجاشی + عثمان بن عفان + رقیہ بن عفان + رقیہ بنت محمد۔ |

رمضان المبارک

آنحضرت ﷺ پر سورہ والنجم نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے مسجد حرام میں قریش کے مجمع میں تلاوت فرمائی۔ مسلم وکافر، جن و انس سب ہی جمع تھے۔ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلم وکافر جن و انس تمام حاضرین نے بھی سجدہ کیا۔

آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچانے والی پارٹی کا اجتماع مسجد حرام میں ہوا۔ عقبہ بن ابی معیط نے نجاست بھری اوجھ آنحضرت ﷺ پر عین اس وقت لاکر ڈالی جب آپ ﷺ رب العزت کے سامنے سربہ سجود تھے۔ حضرت فاطمہؓ جو ابھی کم سن تھیں وہ آئیں اور اوجھ آپ ﷺ کی پشت سے ہٹائی۔ ⇐ فاطمہ بنت محمد ﷺ

حضرت سمیہؓ جن کے قدم ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی، لعین ابوجہل کے ہاتھوں شہید ہوئیں اور اس طرح ان کو "اسلام کی پہلی شہید خاتون" کا امتیازی نشان حاصل ہوا۔

## ۶ نبوی

قریش کی ایذا رسانیوں کے باعث آپ ﷺ حضرت ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں فروکش ہوئے۔ اس طرح "دار ارقم" اسلام کا گہوارۂ اول ثابت ہوا۔ ⇐ دار ارقم

"دار ارقم" میں حاضر ہو کر حضرت حمزہؓ اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر بن خطابؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ⇐ حمزہ + عمر فاروق۔

حضرت عمر بن خطاب کے مشرف بہ اسلام ہونے پر پہلی مرتبہ اسلامی تاریخ میں ایسا نعرۂ تکبیر لگایا گیا کہ جس سے مکہ کی پوری وادی گونج اٹھی۔

قریش مکہ کی جانب سے عتبہ بن ربیع نے آنحضرت ﷺ کو تبلیغ دین کے مقابلے میں مال، جاہ، عورت اور علاج کی پیش کش کی لیکن آنحضرت ﷺ نے تبلیغ دین کی خاطر اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

## ۷ نبوی

یکم محرم الحرام

قریش نے ایک ظالمانہ تحریر کے ذریعے بنو ہاشم کا بائیکاٹ کیا اور آنحضرت ﷺ کی معیت میں بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے۔ ⇐ شعب ابی طالب

## ۸ نبوی

شق القمر کا معجزہ رونما ہوا۔ مشرکین نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ کوئی ایسی نشانی دکھائیے

جس جن کا تصرف آسمان میں ہو۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے چودھویں رات کو چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ ایک ٹکڑا حرا کی جانب اور دوسرا بائیں جانب کی طرف جھک گیا۔ جبل حرا دونوں کے درمیان نظر آتا تھا۔ ⇐ حرا، جبل + معجزہ + شق قمر

## ۹ نبوی

یہ پورا سال نبی کریم ﷺ نے شعب ابی طالب میں محصور ہو کر گزارا۔

## ۱۰ نبوی

اللہ تعالیٰ کے حکم سے بائیکاٹ کی اس دستاویز کو دیمک نے چاٹ لیا اور اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا اس کا کوئی حرف بھی باقی نہ رہا اور اس طرح قریش کا یہ ظالمانہ منشور منسوخ ہوا اور بنی ہاشم "شعب ابی طالب" کی نظربندی سے نکل کر اپنے گھروں میں آباد ہوئے۔

منصور بن عکرمہ جس نے یہ ظالمانہ دستاویز لکھی تھی، اس کا ہاتھ شل ہوگیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا ایک مستقل معجزہ تھا۔

۱۰ رمضان المبارک — آنحضرت ﷺ کے چچا جناب ابوطالب کا انتقال ہوا۔

۱۳ رمضان المبارک — آنحضرت ﷺ کی مونس و غم خوار اور دکھ سکھ میں برابر کی شریک آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔

مندرجہ بالا دو شخصیتوں کے انتقال کے باعث سن دس نبوی کو آنحضرت ﷺ کے لئے "عام الحزن" کہا جاتا ہے۔

شوال — آنحضرت ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔

شوال — آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کیا، لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔

۲۷ شوال — تبلیغی سفر پر آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے۔

ذوالقعدہ — سفر طائف کے دوران جب آپ ﷺ اہل طائف کی سنگ دلی سے بہت غمگین تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام پہاڑوں کے فرشتے کی معیت میں نازل ہوئے اور پہاڑ کے فرشتے نے عرض کیا، "یا رسول اللہ" اجازت ہو تو مکہ کے دو پہاڑوں کو ملا کر ان لوگوں کو کچل دوں تاکہ یہ سب ہلاک ہو جائیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "نہیں مجھے یہ توقع ہے کہ یہ نہیں تو ان کی نسل ہی سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کو ایک مانیں گے اور ان کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

بنائیں گے۔" ⇦ طائف، سفر۔
طائف سے واپسی پر آپ ﷺ نے دعا کی جو "دعائے طائف" کے نام سے مشہور ہے۔

| | |
|---|---|
| ۲۳ ذوالقعدہ | آپ ﷺ سفر طائف سے واپس مکہ مکرمہ پہنچے۔ |

## ۱۱ نبوی

مدینہ سے آنے والے چند حاجیوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر آپ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ ان افراد کی تعداد چھے تھی۔ اسی سے انصار کے اسلام کا آغاز ہوا۔

## ۱۲ نبوی

| | |
|---|---|
| ۲۷ رجب المرجب<br>شب معراج | نبی کریم ﷺ کو معراج ہوئی۔ ⇦ معراج<br>حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کا سینۂ مبارک شق کیا اور آپ ﷺ کا قلب مبارک نکال کر سونے کے طشت میں آب زم زم سے دھویا اور اس میں حکمت، ایمان اور نور نبوت بھر کر اپنی جگہ رکھا۔ آپ ﷺ کو بیت المقدس میں تمام انبیائے کرام کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔ اس رات آپ ﷺ نے فرشتوں کا کعبہ "بیت المعمور" دیکھا۔ آپ ﷺ نے جنّت اور اس کی نعمتوں، دوزخ اور اس کے عذاب کا معائنہ کیا۔ اسی رات آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی اُمت پر پانچ نمازیں یومیہ فرض کی گئیں۔ |
| موسم حج، رجب | بیعت عقبہ اولیٰ۔ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر انصار مدینہ کے بارہ افراد نے بیعت کی۔ ⇦ بیعت عقبہ اولیٰ + انصار + ہجرت نبوی ﷺ۔ |

## ۱۳ نبوی

| | |
|---|---|
| موسم حج، ذوالحجہ | بیعت عقبہ ثانیہ۔ انصار مدینہ کے ۷۳ مردوں اور ۲ عورتوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ نے اس موقع پر ان میں سے ۱۲ نقیب بھی مقرر فرمائے۔ ⇦ بیعت عقبہ ثانیہ + انصار + ہجرت نبوی ﷺ |

## ۱ ہجری

| | |
|---|---|
| یکم ربیع الاول | آپ ﷺ ہجرت کی غرض سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ |

ہوئے۔ راستے میں آپ ﷺ نے غار ثور میں قیام فرمایا۔ غار ثور میں جب حضرت ابوبکر صدیق کو سانپ نے ڈس لیا اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے تو حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک لگانے سے تکلیف جاتی رہی۔ ⇦ ہجرت مدینہ + ابوبکر صدیق + صدیق اکبر۔

**ربیع الاول کی پانچویں رات پیر**
سرکار دو عالم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار سے نکلے اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔

**۱۲ ربیع الاول، بروز پیر**
آپ ﷺ مقام قبا میں فروکش ہوئے اور اسلام کی سب سے پہلی مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ ⇦ قبا + قبا، مسجد۔

**۱۳ تا ۱۶ ربیع الاول بروز جمعہ**
قبا میں چند دن قیام فرمانے کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ ﷺ نے بنو سالم کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ یہ آنحضرت ﷺ کی پہلی جمعے کی نماز اور پہلا خطبہ تھا۔ ⇦ جمعہ، مسجد

آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ بنو نجار کی بچیاں آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے طلع البدر علینا گا رہی تھیں۔ حضرت ابوایوب انصاری کو شرف میزبانی حاصل ہوا۔ مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی۔ اذان و اقامت کی ابتدا ہوئی۔ ⇦ ہجرت مدینہ + مدینہ + ابوایوب انصاری + مسجد نبوی۔

مواخات کا سلسلہ۔ ایک انصاری اور ایک مہاجر کو رشتہ اخوت میں مربوط کیا گیا جو اسلام تاریخ کی ایک مثالی اخوت تھی۔ ⇦ مواخات

**شوال المکرم**
حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی۔

## ۲ ہجری

**۱۲ صفر المظفر**
جہاد کی فرضیت، مظلوم مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی۔ ⇦ غزوہ۔

**نصف رجب المرجب**
تحویل قبلہ کا حکم، بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ مقرر کیا گیا۔ ⇦ تحویل قبلہ + قبلہ + کعبہ + مکہ۔

**نصف شعبان المعظم**
ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

آنحضرت ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم آیا اور سورۂ احزاب کی مشہور آیت ان اللہ و ملائکتہ الخ نازل ہوئی۔ ⇦ درود شریف۔

**۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ**
حق و باطل کا پہلا معرکہ غزوۂ بدر پیش آیا۔ ⇦ بدر، غزوہ۔

**۱۹ رمضان المبارک بروز اتوار**
آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کا انتقال ہوا۔ ⇦ رقیہ بنت محمد ﷺ۔

**اواخر رمضان المبارک**
عید کی نماز اور صدقہ فطر واجب کیے گئے۔

| | |
|---|---|
| یکم شوال | آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں نے نماز عید ادا فرمائی۔ |
| ذی الحجہ | حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں نے عید الاضحیٰ کی نماز ادا فرمائی اور قربانی کی۔ |
| ذی الحجہ | حضرت فاطمہؓ کا عقد نکاح۔ ⇦ فاطمہ بنت محمد ﷺ۔ |

## ۳ ہجری

| | |
|---|---|
| شعبان المعظم | حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ سے نکاح۔ ⇦ حفصہ بنت عمر۔ |
| شوال المکرم | غزوۂ احد ہوا۔ ⇦ احد، غزوہ۔ |
| ذوالحجہ | حضرت زینب بنت خزیمہ سے عقد نکاح۔ ⇦ زینب بنت خزیمہ |

## ۴ ہجری

یہودیوں کے ایک مقدمے کے سلسلے میں آپ ﷺ نے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا۔
حضرت اُمّ سلمہؓ سے عقد نکاح۔ ⇦ ام سلمہ۔

## ۵ ہجری

اس سال پردے کا حکم نافذ ہوا، زنا کی سزا مقرر ہوئی، تیمم کی اجازت ملی اور صلوٰۃ خوف کے احکامات نازل ہوئے۔

| | |
|---|---|
| جمادی الاخریٰ | چاند گرہن ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ نماز خسوف پڑھی۔ |
| رجب المرجب | قبیلۂ مذینہ کا وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ یہ سب سے پہلا وفد ہے جو بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ |

اس سال مدینہ منورہ میں زلزلہ آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تم سے معافی منگوانا چاہتے ہیں۔ پس معافی مانگ کر انہیں راضی کرو۔ ⇦ مدینہ۔
اس سال غزوۂ بنی مصطلق پیش آیا۔ اس غزوہ سے واپسی پر حضرت عائشہؓ پر بہتان تراشی کا واقعہ پیش آیا (معاذ اللہ) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی اس بہتان سے برأت فرمائی۔
⇦ بنی مصطلق، غزوہ + افک + عائشہ صدیقہ۔

## ۶ ہجری

**رمضان المبارک**
مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ عید کی نماز کے خطبے میں آپ ﷺ نے دعامانگی تو اللہ تعالیٰ نے باران رحمت نازل فرمائی۔

**ذی الحجہ**
بادشاہوں کے نام خطوط پر مہر لگانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے مہر بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔

**اواخر ذی الحجہ**
حضور ﷺ نے بادشاہوں کی جانب دعوت اسلام کے لئے قاصد اور گرامی نامے ارسال فرمائے۔ ⇦ مکاتیب نبوی ﷺ + مکاتیب النبی ﷺ۔
اسی سال صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ ⇦ حدیبیہ، صلح۔

## ۷ ہجری

**محرم الحرام**
غزوۂ خیبر پیش آیا۔ ⇦ خیبر، غزوہ۔
غزوۂ خیبر کے ایام میں ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے رسول اکرم ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر ملادیا مگر آنحضرت ﷺ نے اسے معاف کردیا۔
غزوۂ خیبر سے واپسی پر لیلۃ التعریس کا واقعہ پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سوئے رہے اور سورج نکل گیا۔ اس طرح سب کی نماز فجر قضا ہوگئی۔

**ذی الحجہ**
آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے ۶ھ کے صلح حدیبیہ والا عمرۂ قضا ادا فرمایا۔
عمرۂ قضا سے واپسی پر آنحضور ﷺ نے حضرت میمونہ سے مقام سرف میں نکاح کیا۔ یہ سب سے آخری زوجہ مطہرہ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ نے نکاح کیا۔ ⇦ میمونہ، ام المؤمنین۔

## ۸ ہجری

**جمادی الاولیٰ**
غزوۂ موتہ پیش آیا اور آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ میں شہید ہونے والوں کی خبریں صحابہ کرام کو دیں جب کہ مدینہ منورہ اور موتہ کے مابین ۲۸ دن کی مسافت ہے۔ ⇦ موتہ، غزوہ۔

**رمضان المبارک**
مکہ فتح ہوا۔ ⇦ فتح مکہ

**ذی الحجہ**
آنحضرت ﷺ کے ہاں صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام آپ ﷺ نے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ⇦ ابراہیم بن محمد ﷺ۔

## ۹ ہجری

یکم محرم الحرام — آپ ﷺ نے مختلف قبائل سے زکوۃ وصول کرنے کے لئے عاملین مقرر فرمائے۔

رجب — غزوۂ تبوک پیش آیا۔⇦ تبوک، غزوہ۔

غزوۂ تبوک سے واپسی پر منافقین کی مسجد ضرار کو منہدم فرمایا۔⇦ ضرار، مسجد+منافق۔

اس سال آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے ایلا کیا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔⇦ ایلا۔

اس سال آنحضرت ﷺ گھوڑے سے گر پڑے جس کی وجہ سے دائیں پہلو اور پنڈلی پر خراش اور چوٹ آئی۔

اس سال حضرت جبرئیل علیہ السلام لوگوں کو دین کے مسائل سکھانے کے لئے تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان، قیامت اور قیامت کے بارے میں سوالات کئے۔⇦ حدیث جبرئیل۔

اسی سال حج فرض کیا گیا۔

ذوالقعدہ — حضرت ابوبکر صدیقؓ، امیر الحج کی حیثیت سے تین سو افراد کی معیت میں حج کے لئے روانہ ہوئے۔⇦ ابوبکر صدیق+صدیق اکبر۔

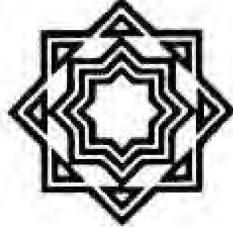
## ۱۰ ہجری

اس سال آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا۔ میدان عرفات میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔⇦ خطبہ حجۃ الوداع۔

## ۱۱ ہجری

صفر المظفر — آنحضرت ﷺ کے مرض موت کا آغاز ہوا۔ مرض کے ایام میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی تحریر لکھنے کا ارادہ فرمایا تاکہ لوگ آپ ﷺ کے بعد اس معاملے میں اختلاف نہ کریں۔ اس روز آپ ﷺ پر مرض کی شدت تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو تحریر کی زحمت نہ دو ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تحریر کا ارادہ ترک فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اُمت مسلمہ ابوبکر کے علاوہ کسی کو قبول نہ کریں گے۔

| | |
|---|---|
| | مرض الوفاۃ میں آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے اس کی اجازت مانگی کہ آپ ﷺ مرض کے بقیہ ایام حضرت عائشہؓ کے گھر پر گزاریں۔ چنانچہ تمام ازواج مطہرات نے بخوشی اس کی اجازت دے دی۔ |
| ربیع الاول، پیر | سرکار دو عالم ﷺ تمام عالم کو ہدایت کا پیغام پہنچا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ⇦ وفات محمد ﷺ |



# آ

## آب

*** آباو اجدادِ نبوی ﷺ :** حضرت محمد ﷺ کے باپ داد اور بزرگ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محمد ﷺ دوسرے پیغمبروں کی طرح اللہ کے ایک پیغمبر تھے، مگر وہ صرف پیغمبر نہ تھے بلکہ آخری پیغمبر تھے۔ چنانچہ اس بات کی ضرورت تھی کہ اس پیغمبر کی اس طریقے پر تربیت ہو جو قیامت تک ہونے والی تبدیلیوں اور ترقیوں سے متاثر نہ ہو۔اس کا پیدا کیا ہوا انقلاب ہر زمانے اور ہر نسل پر اثر انداز ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد ﷺ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام مبعوث ہوئے جن میں صاحب شریعت رسول بھی تھے، لیکن تاریخ انسانی میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جو اس حد تک لوگوں کو دین پر کھڑا کرنے میں کامیاب ہوسکا ہو جس طرح حضرت محمد ﷺ نے اپنے دور کے انسانوں کو فکر آخرت اور دعوت الی اللہ کے عظیم مقصد پر آخری حد تک کھڑا کر دیا۔ آپ ﷺ کی عظمت کے لیے ایک یہی معجزہ کافی ہے۔

### حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ تو میرے لڑکے اسمٰعیل کی اولاد میں ایک نبی پیدا کر۔ (سورہ بقرہ، ۱۲۹) تاہم حضرت ابراہیم کی اس دعا اور محمد ﷺ کی پیدائش میں تقریباً ڈھائی ہزار سال کا فاصلہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ عراق کے متمدن علاقے سے نکل کر حجاز کے خشک اور غیر آباد مقام پر اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو بسائیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ۲۱۰۰ ق م کے لگ بھگ جسے اب محققین حضرت ابراہیم کے ظہور کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں، صرف شہر "ار" کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی۔ یہ اپنے زمانے کا بڑا تجارتی و صنعتی مرکز تھا۔ جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کی حدود موجودہ حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھیں۔ زندگی میں یہاں کے باسیوں کا نظریہ خالصۃً مادہ پرستانہ تھا۔ سود خوری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ یہ سخت کاروباری قسم کے لوگ تھے۔ ہر شخص دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مذہبی پستی اس حالت تک تھی کہ تقریباً پانچ ہزار خداؤں کے نام اس شہر کے کتبوں سے ملتے ہیں۔ "ار" (UR) کی سب سے اونچی پہاڑی پر "ننار" کا بت نصب تھا۔ ننار کی خواب گاہ میں ہر رات ایک پجارن اس کی دلہن بنتی تھی اور ایسی عورت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے بلکہ کم از کم ایک بار خود کو راہ خدا میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کے لئے ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا۔

### وادی غیر ذی زرع

دوسری جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ عراق کے اس متمدن علاقے سے نکل کر حجاز کے خشک اور غیر آباد مقام پر اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو بسائیں۔ ایسا کیوں ہوا...... دراصل ایسی ہی جگہ پر تمدنی آلائشوں سے دور رہ کر خالص فطرت کی آغوش میں ایک ایسی قوم کی تعمیر کی جا سکتی تھی جس کے اندر اللہ کی پیدا کی ہوئی فطری صلاحیتیں محفوظ ہوں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اس صحرا (موجودہ مکہ) میں لا کر بسا دیا جہاں اس وقت سوکھی زمین اور خشک پتھروں کے سوا اور کچھ نہ تھا تو

مشک کا پانی بھی ختم ہو گیا اور حضرت اسمٰعیل پیاس کی شدت سے ہاتھ پاؤں مارنے لگے اور خشک بیاباں میں خدا کی قدرت سے زم زم کا چشمہ (آب زم زم) نکل آیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ خدا نے اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بڑے ہی سخت محاذ پر کھڑا کیا ہے، مگر وہ ان کو بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔

جب اسمٰعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام ایک اور آزمائش میں ڈالے گئے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اس خواب کو انہوں نے حکم خداوندی سمجھا اور بیٹے (اسمٰعیل علیہ السلام) کی رضا سے ان کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ شیطان نے کئی بار بہکانے کی بھی کوشش کی مگر ایمان سے بھرپور دلوں کے ساتھ ان اللہ والوں نے ہمیشہ شیطان کی چالوں کو ناکام کر دیا۔ آج دوران حج حاجی چند مقامات پر جو کنکر مارتے ہیں انہی شیطانی چالوں سے اظہار نفرت کرتے ہیں۔ عین اس وقت کہ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلائی جا رہی تھی، اللہ کے حکم سے چھری کو اس کے کاٹنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا گیا۔ دوسرے ہی آن پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ پر جنت کا ایک مینڈھا آموجود ہوا۔ چھری نے پھر اپنا کام شروع کیا۔ مینڈھے کی قربانی ہو گئی اور اسمٰعیل علیہ السلام کی جان بچ گئی۔

## حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پہلی شادی

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو انہوں نے قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کی۔ یہ قبیلہ زم زم نکلنے کے بعد مکہ میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام شام میں تھے، مگر ایک روز گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت اسمٰعیل کے گھر آئے۔ حضرت اسمٰعیل گھر پر نہ تھے، صرف ان کی بیوی موجود تھیں اور وہ اپنے سسر ابراہیم علیہ السلام کو نہیں پہچانتی تھیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا تو بیوی نے بتایا کہ شکار کرنے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے پھر پوچھا کہ تم لوگوں کی کیسی گزرتی ہے تو بیوی نے معاشی تنگی اور گھر کی ویرانی کی شکایت کی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم واپس چلے گئے اور واپس جاتے جاتے حضرت اسمٰعیل کی بیوی سے کہا کہ جب اسمٰعیل آئیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ اپنی چوکھٹ بدل دو۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے واپسی پر اپنی بیوی کی زبانی اپنے والد کی آمد کا پورا قصہ سنا تو سمجھ گئے کہ "چوکھٹ بدل دو" کا مطلب اور اشارہ یہ ہے کہ اس بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرو، کیونکہ موجودہ بیوی اس نسل کو پیدا کرنے کے لئے موزوں نہیں جس کا منصوبہ اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔

## دوسری شادی

چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس بیوی کو طلاق دے دی اور دوسری خاتون سے شادی کر لی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد حضرت ابراہیم دوبارہ حضرت اسمٰعیل کے گھر آئے۔ اس بار بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہی سوال دہرائے جو پہلی بیوی سے کئے تھے تو اس بیوی نے حضرت اسمٰعیل کی تعریف کی اور کہا کہ جو کچھ ہے، بہت اچھا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ اسمٰعیل آئیں تو ان کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ چوکھٹ کو قائم رکھو یعنی تمہاری یہ بیوی خدا کے پیش نظر منصوبے کے لئے بالکل موزوں ہے، اس کے ساتھ اپنے تعلق کو باقی رکھو۔

اس طرح عرب کے الگ تھلگ علاقے میں اسمٰعیل علیہ السلام کے خاندان سے ایک نئی نسل بننا شروع ہوئی جس نے "بنی اسمٰعیل" کی صورت اختیار کی اور نبی آخر الزماں ﷺ کا گہوارہ بنی۔ لیکن ایک جانب نسل در نسل دین ابراہیمی منتقل ہوتا رہا اور ساتھ ہی لوگوں کے نفس کی آلائشیں اور شرک کی ناپاکیاں بھی اس میں شامل ہوتی گئیں اور یوں اصل دین کی شکل ہی بگڑ کر رہ گئی۔ دین میں یہ بگاڑ ایک دم پیدا نہیں ہوا بلکہ صدیاں بیتیں اور نہ معلوم کتنی نسلیں گزر گئیں تب کہیں جا کر شرک کے پیر جمے۔ اس شرک کی ابتدا بھی عجیب طریقے سے ہوئی۔ شیطان کا یہ حربہ ہے کہ وہ بہت سے گناہوں کو اللہ کی رضا کا

ذریعہ دکھا کر لوگوں کو گناہوں پر اکساتا ہے۔ یہی عمل اس نے اہل عرب کے ساتھ آزمایا۔ چونکہ عربوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بہت محبت تھی اور ان دونوں نے کعبہ تعمیر کیا تھا، اس لئے عربوں کے دل میں کعبہ کا ادب و احترام اور محبت بھی بہت تھی۔ آہستہ آہستہ یہ محبت کعبہ سے بڑھ کر کعبہ کے قرب و جوار میں موجود پتھروں تک پھیل گئی اور اہل عرب ان بے قیمت و بے حیثیت پتھروں کو بھی متبرک سمجھنے لگے۔ اس محبت و عقیدت کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ جہاں بھی جاتے، ان پتھروں کو برکت کی غرض سے اپنے ساتھ لے جاتے۔ مکہ کے باسیوں کی دیکھا دیکھی ادھر ادھر سے آنے والوں نے بھی یہی حرکت شروع کر دی اور یوں تبرکاً پتھروں کا اپنے ساتھ رکھنا، سفر میں لے جانا، بیمار کو پلانا وغیرہ امور رواج میں تبدیل ہو گئے۔ بدترین گناہ کو نیکی اور ثواب سمجھا جانے لگا۔ جب یہی رواج حد سے گزرا تو خوب صورت پتھر قسمت کا پھیرنے والا اور کام بنانے والا ہو گیا حتیٰ کہ اگر کوئی پتھر کسی مخلوق کی شکل کا ہوتا تو اس کی عظمت ان کے دل میں بیٹھ جاتی اور اس کی پوجا شروع ہو جاتی یہاں تک کہ پتھروں کو خود تراشنے کی رسم کی بنا پڑی۔ ایسے خود تراشیدہ بتوں کو کسی بزرگ سے منسوب کیا جاتا اور کوئی نام رکھ کر اس کی پوجا کی جاتی۔ اہل عرب کا خیال تھا کہ ان بتوں کی عبادت کی جائے تو یہ بت اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی سفارش کریں گے اور نجات کا ذریعہ بنیں گے۔

ایک دفعہ مکہ کا رہنے والا ایک شخص عمرو بن لحیٔ سفر پر جا رہا تھا کہ ایک مقام پر اس نے کچھ لوگوں کو مورتیوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا۔ اس کو یہ منظر بہت اچھا لگا۔ چنانچہ اس نے وہاں سے ایک مورتی حاصل کی اور مکہ میں لا کر نصب کر دی تاکہ مکہ کے رہنے والے بھی اس کی پوجا پاٹ سے مستفید ہو سکیں۔ اس طرح مکہ میں مورتیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس پہلی مورتی کا نام "ہبل" تھا۔ پھر تو بتوں کے ڈھیر مکہ اور اس کے قرب و جوار میں آنے لگے یہاں تک کہ مختلف قبیلوں نے بھی اپنے اپنے مخصوص بت تشکیل دیئے۔ مثلاً قریش کے سب سے بڑے بت کا نام "عزیٰ" تھا۔ طائف کے قبیلہ ثقیف کا بت "لات" اور اوس و خزرج (مدینہ کے قبائل) کا بت "منات" تھا۔

## عبدالمطلب

حضرت محمد ﷺ کا ذکر مبارک آئے اور ان کے ساتھ عبدالمطلب کا بھی نام ہو تو ہر شخص یہ جانتا ہے کہ یہ عبدالمطلب کون تھے۔ یہ نبی کریم ﷺ کے دادا، آپ ﷺ کے والد عبداللہ کے والد اور قریش کے سردار تھے۔ عبدالمطلب کا مطلب ہے "مطلب کا غلام۔" ان کا یہ نام کیوں پڑا، اس کے بارے میں تاریخی روایت سے یہ پتا چلتا ہے کہ تقریباً آٹھ برس کی عمر میں عبدالمطلب نے اپنے چچا (ان چچا کا نام "مطلب" تھا) کے ساتھ ایک سفر کیا جس کے نتیجے میں یہ نام پڑ گیا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ عبدالمطلب کے والد ہاشم اپنے زمانے میں قریش کے سردار تھے۔ وہ تجارت کیا کرتے تھے۔ شام کے ایک تجارتی سفر میں مدینہ (جو اس وقت "یثرب" کے نام سے جانا جاتا تھا) سے گزر ہوا۔ قبیلہ خزرج کے خاندان بنی نجار کے ایک فرد عمرو کی بیٹی سلمٰی سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس سے شادی ہو گئی۔ سلمٰی کچھ عرصہ تو ہاشم کے ساتھ مکہ میں مقیم رہیں، لیکن پھر واپس یثرب لوٹ آئیں۔ چنانچہ شیبہ (عبدالمطلب = شیبہ ان کا اصل نام تھا) کی ولادت بھی یہیں پر ہوئی۔

شام ہی کے ایک تجارتی سفر کے دوران ایک مقام "غزہ" پر عبدالمطلب کے والد ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ ہاشم اپنے قبیلے کے سردار تھے، اس لئے قانون کی رو سے تمام عہدے ہاشم کے چھوٹے بھائی مطلب کے پاس آ گئے۔ جب مطلب نے ان عہدوں کو سنبھالا تو انہیں اپنے مرحوم بھائی کے اکلوتے بیٹے شیبہ کا بھی خیال آیا کہ سارا خاندان تو مکہ میں ہے اور ماں اور بیٹا اکیلے یثرب میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ مطلب نہایت محبت کے ساتھ اپنے بھتیجے شیبہ کو لینے کے لئے یثرب پہنچ گئے اور تھوڑے سے اصرار کے بعد سلمٰی نے شیبہ کو مطلب کے ساتھ مکہ بھیجنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ تین دن مہمان رہنے کے بعد مطلب اور شیبہ مکہ روانہ ہوئے اور جب مکہ میں پہنچے تو علاقے کے لوگوں نے دیکھا کہ مطلب اونٹ پر سوار ہیں اور ان کے

پیچھے ایک نوجوان بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ یہ کوئی غلام ہے۔ چنانچہ لوگوں نے شیبہ کو مطلب کا غلام سمجھ کر انہیں "عبد المطلب" یعنی "مطلب کا غلام" کہنا شروع کر دیا۔ اگرچہ مطلب نے ان لوگوں کو یہ سمجھایا کہ یہ میرا غلام نہیں، بھتیجا ہے مگر شیبہ اب عبد المطلب کے نام سے مشہور ہو چکے تھے۔

شیبہ یا عبد المطلب اب مکہ ہی میں رہائش پزیر تھے۔ کچھ عرصے کے بعد جب مطلب کا انتقال ہو گیا تو اپنے چچا کی تمام ذمے داریاں عبد المطلب پر آگئیں۔ یہ ذمے داریاں "سقایہ" اور "رفادہ" کی تھیں۔ "سقایہ" اس عہدے کا نام تھا جس کے تحت حج کو آنے والے حاجیوں کے لئے میٹھے پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔ "رفادہ" کے تحت منیٰ اور مکہ میں حاجیوں کی ضیافت کی جاتی تھی۔ لذت کام و دہن کے لئے قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کر رکھی تھی۔ ان دونوں عہدوں کے علاوہ ایک عہدہ "حجابہ" بھی تھا۔ جو شخص اس عہدے پر فائز ہوتا، کعبہ کا کلید بردار ہوتا اور کعبہ سے متعلق تمام کام اسی کے سپرد ہوتے۔

جب عبد المطلب کے ہاتھ میں یہ عہدے آئے تو ان عہدوں کے درست انتظام کی فکر ہوئی۔ ان کے زمانے میں پانی کا انتظام کرنا ایک دشوار کام تھا۔ عبد المطلب کو معلوم ہوا کہ چاہ زم زم کا پانی میٹھا اور خوش ذائقہ ہے تو ان کی توجہ زم زم کی طرف ہوئی۔ نہ صرف یہ بلکہ زم زم کے متعلق یہ تک مشہور تھا کہ اس کا پانی کبھی خشک نہیں ہوتا، اس میں کمی نہیں ہوتی اور اس سے پانی کے حصول میں کسی قسم کی پریشانی بھی درپیش نہیں آتی۔ لیکن اب اس کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ برسوں پہلے جب بنو خزاعہ نے قبیلہ جرہم سے جنگ کی اور ان کو اس علاقے سے بے دخل کیا تو قبیلہ جرہم کے آخری تاجدار مضاض جرہمی نے جاتے جاتے کعبے کے کچھ نذرانوں کو جو اس کے پاس تھے، زم زم میں ڈال دیا اور اوپر سے پاٹ دیا۔ یوں چاہِ زم زم سے پانی کا حصول اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ زم زم کی کھدائی کر کے اسے صاف نہ کر دیا جائے۔

اب عبد المطلب کو زم زم کی کھدائی اور صفائی کی فکر ستانے لگی، لیکن چاہ زم زم کا سراغ نہیں مل رہا تھا کہ قریش کے لوگ اسے تقریباً بھول چکے تھے۔ عبد المطلب روزانہ سونے سے پہلے دیر تک سوچتے رہتے، کاش! مجھے اس کنویں کا سراغ مل جائے تاکہ میں اس کا پانی حاجیوں کو پلا سکوں۔ ایک روز یوں ہوا کہ کعبے کے سائے میں لیٹے ہوئے نیند کی حالت میں انہوں نے ایک غیبی آواز سنی۔ کوئی ان سے کہہ رہا تھا، اٹھو اور بیئر زم زم کو کھودو اتم اسے کھود کر کبھی پشیمان نہیں ہو گے۔ یہ تمہارے معزز و محترم باپ اسمٰعیل (علیہ السلام) کی نشانی ہے۔ اس کا پانی خشک ہوتا ہے نہ کم۔ تم اس سے بے شمار حاجیوں کو پانی پلا سکو گے۔

دوسرے دن بھی وہ اسی جگہ آرام کر رہے تھے کہ خواب میں وہی آواز پھر سنائی دی۔ تیسرے دن یہ آواز پھر سنائی دی اور کھدائی کے مقام کی بھی نشان دہی کر دی گئی۔ اس غیبی آواز نے کہا: "زم زم کا کنواں اس جگہ ہے جہاں کل تم ایک کوے کو اپنی چونچ سے زمین کھودتے دیکھو گے۔"

عبد المطلب نے کنواں کھودنے کی تیاری کی۔ وہ کعبے کے سائے میں بیٹھ کر کسی نشانی کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ سیاہ رنگ کا ایک کوا غوطے لگاتا ہوا آیا اور زم زم کی خاص جگہ پر زمین کو اپنی چونچ سے کھودنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا خواب سچ کر دکھایا تھا۔ عبد المطلب نے زم زم کی صفائی کرائی۔ اس میں سے مضاض جرہمی کے دفن کئے ہوئے نذرانے اور اس کی دو تلواریں ملیں۔ یہاں سے سونے کے دو ہرن بھی دریافت ہوئے۔

## بیٹے کی نذر

ابتدا میں عبد المطلب کا حارث نامی ایک ہی بیٹا تھا، مگر بعد میں مزید اولاد کی خواہش ستانے لگی تو انہوں نے خدا سے منت مانی کہ اگر اس نے انہیں دس بیٹے عطا فرمائے تو وہ ان میں سے ایک خدا کے نام پر قربان کر دیں گے۔ چنانچہ عبد المطلب کی یہ نذر پوری ہوئی اور خدا نے ان کو دس بیٹے عطا کئے۔ جب وہ سب جوان ہو گئے تو عبد المطلب نے ایک روز ان کے سامنے نذر کی بات رکھی۔ تمام بیٹے اس نذر کی بنیاد پر قربان ہونے کو تیار ہو گئے۔ دس میں سے کسی ایک لڑکے کی قربانی کے

لئے فال نکالنا ضروری تھا۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی اہم کام پیش ہوتا تو تیروں سے فال نکالی جاتی۔ چنانچہ تمام بیٹوں کے نام الگ الگ تیروں پر لکھے گئے اور ان تیروں کو لے کر عبدالمطلب کعبے میں آئے تاکہ معلوم کریں کہ "ہبل" کو کون سا بیٹا پسند ہے۔ فال نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ مہنت یا پروہت ان تیروں کو لے جاتا اور دیوتاؤں کے سامنے ایک خاص طریقے سے ان تیروں کو پھراتا۔ جس تیر کا منہ دیوتا کی طرف ہوجاتا، یہ سمجھا جاتا کہ بس یہ دیوتا کی پسند ہے اور پھر اسی کے مطابق کام کیا جاتا۔ اب جو مہنت نے ہبل کے سامنے یہ دس تیر پھرائے تو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے اور سب سے لاڈلے بیٹے عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب نے چار و ناچار عبداللہ کو اپنے ساتھ لیا اور زم زم کے قریب جو قربان گاہ اس مقصد کے لئے بنائی گئی تھی، وہاں پر آئے۔ جب علاقے کے لوگوں کو اس تمام واقعے کی خبر ہوئی تو بہت گھبرائے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر عبدالمطلب کو اس ارادے سے باز رکھتے ہوئے کہا، "خدا کے لئے فی الحال عبداللہ کو ذبح نہ کیجئے، ہوسکتا ہے خدا کوئی اور صورت پیدا کردے۔"

دراصل لوگوں کا خیال تھا کہ اگر ایک بار عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کی قربانی دے دی تو لوگ اس کے بعد اپنے بچے اسی طرح ذبح کرنے لگیں گے۔ کافی بحث و اصرار کے بعد فیصلہ ہوا کہ خیبر کی طرف (یا یثرب کے قریب) رہنے والی ایک نجومی عورت عرافہ سے ملا جائے جو اس قسم کی گتھیاں سلجھانے کی ماہر تھی۔ جب اس نجومی عورت سے رابطہ کیا گیا اور عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ اور ان کی نذر کا معاملہ اس کے سامنے رکھا گیا تو اس نے کہا کہ دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالا جائے۔ اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو بہتر، ورنہ دس کی جگہ بیس اونٹ کردیئے جائیں۔ اگر پھر بھی عبداللہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دیئے جائیں۔ اس طرح اونٹوں کی تعداد بڑھاتے رہو یہاں تک کہ رب راضی ہوجائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک طرف قرعہ ڈالا جاتا رہا اور دوسری جانب لوگ خدا سے اس کی رضا مانگتے رہے۔ جب اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اطمینان کیا گیا۔ اب سب یہ سمجھ چکے تھے کہ رب نے عبداللہ کا فدیہ قبول کرلیا ہے۔ آخر کار عبداللہ کی جگہ پر سو اونٹوں کی قربانی کی گئی اور عبداللہ کی جان بچ گئی۔

عبداللہ اپنے زمانے کے خوب صورت اور خوب سیرت نوجوانوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی پُرکشش شخصیت کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار عبداللہ مکہ کی ایک گلی میں سے گزر رہے تھے کہ راستے میں فاطمہ بنت مُر نام کی ایک عورت جو خود بھی اپنی شرم و حیا کے اعتبار سے مشہور تھی، بڑے عجیب انداز میں عبداللہ سے ملی، ان سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور بولی، میری عقل یا اخلاق پر شک نہ کرو، میں وہی فاطمہ ہوں جس کی پہچان ہی اس کی شرم و حیا کے حوالے سے ہے۔ میں وہی کاہن ہوں جس کا علم مکے کی عام عورتوں ہی سے نہیں، مردوں سے بھی زیادہ ہے۔ میں نے اس علم کی بنا پر آپ کی پیشانی پر ایسی علامات دیکھی ہیں جو میرے سوا کسی کو نظر نہیں آسکتیں اور آپ کی پیشانی پر فروزاں انہی علامات نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں آپ سے شادی کروں۔

فاطمہ بن مُر نے مزید کہا: "میں نے آپ کی پیشانی پر ایک ایسا نور دیکھا ہے جو کسی دوسرے کے ماتھے پر نہیں اور میں خوب جانتی ہوں کہ یہ ربانی روشنی ہے جس کا وارث آپ کا بیٹا ہوگا۔ اس جیسا بیٹا جننا ہر ماں کے بس میں نہیں، اسی لئے میں یہ آرزو رکھتی ہوں کہ آپ کا وہ بیٹا مجھ سے ہو۔" لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ خالق و مالک اس نور میں فاطمہ کو نہیں، آمنہ کو شریک کرنا چاہتا تھا لہٰذا عبدالمطلب اور یثرب کے قبیلہ بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کی ملاقات ہوئی۔ شادی کا ذکر چھڑا اور پھر شادی کی بات ہوگئی۔ عبداللہ اور آمنہ دونوں شریک حیات ہوگئے۔

جب عبداللہ نے آمنہ سے شادی کی تو اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس تھی۔ اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق عبداللہ تین دن اپنے سسرال (یثرب) میں رہے اور پھر آمنہ کے ساتھ اپنے گھر (مکہ) لوٹ آئے۔ دونوں کو ایک ساتھ رہتے ہوئے ابھی بیس دن کے قریب ہوئے ہوں گے کہ عبداللہ کا تجارتی سفر پر شام جانا ہوا۔ واپسی پر یثرب (مدینہ) سے گزر ہوا تو کچھ وقت کے لئے اپنے والد کے ننھیال (محلّہ بنی

نجار) میں ٹھہرے۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسی قیام کے دوران وہ بیمار پڑ گئے۔ قافلے کے دیگر ساتھیوں نے عبداللہ کو وہیں چھوڑا اور مکہ جا کر عبدالمطلب کو عبداللہ کی بیماری کی خبر دی۔ یہ خبر ملتے ہی عبداللہ کے بڑے بھائی حارث اپنے والد کے حکم پر عبداللہ کو لینے یثرب روانہ ہوگئے، لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ عبداللہ کا انتقال ہوگیا اور رشتے داروں نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔

جب عبداللہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آمنہ امید سے تھیں۔ وہ عنقریب عبداللہ کے بیٹے کی ماں بننے والی تھیں۔ انہیں رہ رہ کر فاطمہ بنت مر کی باتیں یاد آتیں جو اس نے عبداللہ سے کی تھیں اور تاریخ نے دیکھ لیا کہ عبداللہ کا جگر گوشہ اور آمنہ کا لال ربانی روشنی کا پیکر لے کر دنیا میں ظاہر ہوا۔ ⇦ بچپن محمد ﷺ۔

**✽ آب زم زم:** مشہور و متبرک پانی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب ہے۔ "زم زم" کے معنی لغت عرب میں کثیر یعنی "بہت" کے آئے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زم زم کے معنی "اجتماع" کے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس مجمع میں پچاس یا اس سے زائد آدمی ہوں اس کو زمزمة من الناس کہتے ہیں جب کہ زم زم میں پانی بھی جمع رہتا ہے اور اس کے آس پاس لوگوں کی کثیر تعداد بھی جمع رہتی ہے۔ تیسری وجہ جو حضرت مجاہدؒ نے بیان فرمائی وہ یہ کہ "زم زم" مزمہ سے ماخوذ ہے (اشتقاق کبیر مراد ہے) جس کے معنی ہیں، ایڑی کو زمین پر اس قدر زور سے مارنا کہ زمین میں گڑھا پڑ جائے۔ چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ایڑی کو زمین پر مارنے کی وجہ سے چاہ زم زم وجود میں آیا، اسی لئے اس کو زم زم کہتے ہیں۔ چوتھی وجہ حربی نے بیان فرمائی ہے کہ زم زم کے معنی حرکت کے ہیں اور زم زم کے پانی کو بہت حرکت سے کھینچا جاتا ہے جس سے اس میں حرکت رہتی ہے، اس لئے اس کو زم زم کہتے ہیں۔ پانچویں وجہ بعض علما نے یہ بیان کی ہے کہ زم زم ماخوذ ہے "زم زم" سے جس کے معنی ہوتے ہیں "باندھنے" اور "رکاوٹ ڈالنے" کے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے بھی زم زم کے پانی کو دائیں بائیں پھیلنے سے بچانے کے لئے مٹی کی منڈیر بنا دی تھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ منڈیر نہ بناتیں تو پوری دنیا میں زم زم کا پانی پھیل جاتا۔ ان کے علاوہ اور وجوہ بھی بیان کی گئی ہیں۔

زم زم کے علاوہ اسکے اور بھی نام ہیں مثلاً طیبہ یعنی پاک، برہ یعنی نیکی والا، مضنونہ یعنی جس کے قیمتی اور عمدہ ہونے کی وجہ سے بخل کیا جائے اور شباعہ یعنی سیر کرنے والا۔ علامہ عینی نے ایک نام "الکتم" بیان کیا ہے یعنی چھپا ہوا اور زم زم بھی اپنے ظہور کے بعد ایک زمانے تک مخفی ہوگیا تھا جیسا کہ آگے آتا ہے کہ زم زم کو "ہزمہ جبریل" اور "سقیا اسمٰعیل" بھی کہا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو حق تعالیٰ کے حکم سے مکہ مکرمہ کی سرزمین پر ٹھہرایا۔ اس وقت وہاں آبادی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھجوروں کا ایک تھیلا اور پانی کی ایک مشک دے کر چلے گئے۔ جب کھانے پینے کا یہ سامان ختم ہوگیا اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام دونوں پیاس سے بے تاب ہوگئے تو حضرت جبریل زم زم کی جگہ نمودار ہوئے اور اپنی ایڑی اور بقول بعض کے اپنا پر زمین پر مارا تو اسی وقت زمین سے پانی ابلنے لگا اور حضرت ہاجرہ نے پانی کے گرد مٹی جمع کر کے منڈیر بنالی تاکہ پانی بہہ نہ جائے۔ پھر اس پانی سے اپنی مشک بھرنے لگیں اور پانی جوش سے نکلنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ہاجرہ پر اللہ کی رحمت ہو، اگر وہ زم زم کے آگے رکاوٹ نہ ڈالتیں تو اس کا پانی دریا کی طرح زمین میں پھیل جاتا۔ (صحیح بخاری، فتح الباری، جلد ۶)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو جب حق تعالیٰ نے زم زم عطا کیا تو کچھ عرصے کے بعد جرہم قبیلہ پانی کی جستجو میں وہاں آیا اور زم زم کے کنویں کے قریب آباد ہوگیا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ان کو زم زم کا پانی لینے کی اجازت خوشی سے دے دی، لیکن شرط یہ لگا دی کہ تم اس کے مالک نہیں ہوگے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی وفات کے بعد یہ قبیلہ ایک عرصے تک وہاں آباد رہا اور پھر رفتہ رفتہ ان میں دین کی کمزوری پیدا ہوتی گئی۔ پھر یہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگے اور حرم شریف کی بے ادبی کرنے لگے تو

حق تعالیٰ نے ان کو سزا دی کہ زم زم کا پانی خشک ہو گیا اور اس پر مسلسل مٹی پڑتی رہی یہاں تک کہ اس کا نشان بھی مٹ گیا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد حضور اقدس ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو خواب میں حکم دیا گیا کہ زم زم کے کنویں کو کھودیں۔ دو دفعہ خواب دیکھا (← آباواجداد نبوی)، مگر ان کو زم زم کا علاقہ معلوم نہ تھا وہ پریشان ہوئے کہ کہاں سے کھودوں۔ پھر تیسری بار خواب دیکھا۔ اس بار زم زم کا علاقہ متعین طور پر خواب میں ان کو بتا دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لیا اور جو جگہ خواب میں بتائی گئی تھی، وہاں کھدائی شروع کر دی۔ کچھ ہی زمین کھودنے سے زم زم کا کنواں ظاہر ہو گیا جس سے عبدالمطلب کو بڑی خوشی ہوئی۔ پہلے پہل قریش نے آپ سے ٹکراؤ کرنے کا ارادہ کیا اور زم زم میں اپنی شرکت بھی بتانے لگے، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ جن سے ان کی مخالفت رفع ہو گئی اور انہوں نے عبدالمطلب کا حق زم زم میں بلا شرکت غیرے تسلیم کر لیا۔

## بیسویں صدی میں صفائی

سعودی عرب کے فرماں روا شاہ خالد مرحوم نے اپنی زندگی میں آب زم زم کے چشمے کی صفائی کا بیڑا اٹھایا تھا اور اس طرح تاریخ میں پہلی بار اس چشمے کے اندرونی حصے کی تصویریں نہایت عمدہ قسم کے کیمروں سے اتاری گئیں۔ اس منصوبے کو مکمل کرنے کا سہرا انجینئر یحییٰ کوشک کے سر رہا۔ ۷ اجمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ کو زم زم کی صفائی کا آغاز کیا گیا۔ اس کے لئے مختلف قسم کے ڈول، بالٹیاں اور پمپ استعمال کئے گئے اور اتنی مٹی نکالی گئی کہ اس سے ۱۰۰ تھیلے بھر گئے۔ اس مٹی سے کافی تعداد میں ایسے سکے برآمد ہوئے جو صدیوں پرانے تھے۔ کئی اسلامی حکومتوں کے سکے بھی ان میں شامل تھے۔ یہ سب چیزیں کنویں کی مٹی کے نمونوں سمیت محفوظ کر لی گئی ہیں۔ کنویں کے اوپر والے حصے میں بھر بھری مٹی تھی جو ساڑھے تیرہ میٹر تک تھی۔ یہاں سے پانی کے رسنے کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس کے گرد سرخ چٹانوں کا ایک گھیرا ہے۔ ان پتھروں کی رنگت اب بھی نئے پتھروں جیسی ہے یعنی ان پتھروں پر پانی کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس کے بعد ۷ میٹر لمبی چٹان ہے۔ اس پر "باذن اللہ" کے الفاظ کھدے ہوئے ہیں۔ کنویں سے پانی نکالنے کے لئے چار بڑے پمپ استعمال کئے گئے اور دو غوطہ خور کنوئیں کی صفائی کے لئے اتارے گئے۔ کنویں میں اترنے سے پہلے دونوں غوطہ خور آب زم زم سے وضو اور پھر غسل کرتے تھے۔ صفائی کا کام ۲۵ رجب ۱۳۹۹ھ کو ختم ہوا۔ اس کے بعد ۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کو کنویں کے چاروں طرف جمع ہونے والے پانی کی نکاسی کے انتظام کو بہتر بنایا گیا۔

حضرت ابوذر معراج کے واقعے کو نقل کرتے ہوئے حضور ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ میرے سینے کو کھول کر زم زم شریف کے پانی سے دھویا گیا۔ (بخاری) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو زم زم کا پانی پلایا اور آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیا۔ بہت سے علما کے ہاں زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پینا مسنون نہیں ہے بلکہ بیٹھ کر پینا افضل ہے، اگرچہ بعض دوسرے علما کے ہاں کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی کہ جو زم زم کے پانی کو کھڑے ہو کر پینے کا حد سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور بیٹھ کر پینے والوں کو ترچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

مسند بزار میں حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "زم زم کا پانی مکمل غذا ہے اور اس کے پینے والے کو سیر ہونے کے لئے کسی اور طعام کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس کے پینے سے بیماری دور ہو جاتی ہے۔"

## آب زم زم پینے کے آداب

ابن ماجہ شریف میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ایک شخص کو فرمایا: (آب زم زم) پینے کے وقت قبلہ رخ ہو جائے، بسم اللہ پڑھے، تین سانس میں پیئے، کوکھیں بھر کر پیئے، فارغ ہونے کے بعد الحمد للہ پڑھے اور پھر حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ہمارے اور منافقوں کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ وہ زم زم کا پانی خوب سیر ہو کر نہیں پیتے۔ (ابن ماجہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے "فضائل حج" میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں زم زم کا پانی خوب پیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خود ڈول بھر کر پیوں، مگر پھر سب لوگ خود بھرنے لگیں گے اس لئے نہیں بھرتا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے خود ڈول بھرا۔ ممکن ہے کہ کسی وقت خود بھرا ہو اور دوسرے وقت مجمع کی وجہ سے یہ عذر فرما دیا ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عباس سے زم زم کا پانی طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس پانی میں (جو حوض کی قسم کی پانی کے مجتمع ہونے کی جگہ تھی) سب لوگ ہاتھ ڈال دیتے ہیں، گھر میں صاف پانی رکھا ہوا ہے، اس میں سے لاؤں؟ حضور ﷺ نے فرمایا، نہیں! جس میں سے سب پیتے ہیں اسی میں سے پلاؤ! انہوں نے آب زم زم پیش کیا۔ حضور ﷺ نے پیا اور آنکھوں پر ڈالا۔ پھر دوبارہ لے کر پیا اور اپنے اوپر دوبارہ ڈالا۔ (کنز)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ڈول بھرنے کا حکم فرمایا۔ ڈول بھر کر کنویں کے کنارے پر رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے اس ڈول کو ہاتھ سے پکڑ کر بسم اللہ کہہ کر دیر تک پیا۔ پھر فرمایا، الحمد للہ۔ پھر ارشاد فرمایا، ہم میں اور منافقوں میں یہی فرق ہے کہ وہ خوب سیر ہو کر اس کو نہیں پیتے۔ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے مصلے پر نماز پڑھا کرو اور نیک لوگوں کے پانی سے پیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا مصلا کیا چیز ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، میزاب رحمت کے نیچے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ نیک لوگوں کا پانی کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، زم زم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زم زم کا پانی اپنے ہاتھ سے لے جاتی تھیں اور یہ نقل کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ بھی لے جایا کرتے تھے اور بیماروں پر چھڑکتے تھے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تحنیک کے وقت ان کو آب زم زم دیا گیا۔

**✽ آب کوثر:** کوثر کا پانی۔ نبی کریم ﷺ کے لئے جنت میں جو مخصوص حوض ہے اس کا نام "حوض کوثر" ہے اور حوض کوثر کا پانی "آب کوثر" کہلاتا ہے۔ حضرت انس؄ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (معراج کی رات) میں جنت میں پھر رہا تھا کہ میرا گزر ایک نہر پر ہوا جس کے دونوں طرف خالی موتیوں کے گنبد تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے۔ وہ کوثر جو آپ ﷺ کے پروردگار نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی نہایت خوشبودار ہے۔

ایک بار نبی کریم ﷺ سے آب کوثر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ وہ پانی جس نے پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ اس میں (حوض کوثر میں) پانی کے دو پرنالے گرتے ہیں جو حوض کو پانی سے لبریز رکھتے ہیں۔ ایک پرنالہ چاندی کا اور ایک سونے کا ہے اور یہ پانی جنت سے آتا ہے۔ قیامت کے دن حضور اکرم ﷺ اپنے نیک امتیوں کو اس حوض سے آب کوثر پلائیں گے۔ مفسرین کے مطابق، تیسویں پارے کی سورۂ کوثر میں بھی اسی حوض کوثر کا ذکر ہے۔

# آح

**✽ آحاد، اخبار:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ ☜ اخبار آحاد۔

# آخ

**✽ آخری چہار شنبہ:** ایک تہوار جو ماہ صفر المظفر کے آخری بدھ کو منایا جاتا ہے۔ فارسی میں "بدھ" کو "چہار شنبہ" کہتے ہیں۔ یہ تہوار اس واقعے کی یاد کے طور پر منایا جاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ایک طویل بیماری کے بعد صحت یاب ہوئے تھے اور غسل صحت فرما کر شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے گئے تھے، لیکن اس واقعے میں کسی قسم کی سند نہیں ہے اور یہ تہوار محض پاک و ہند کے مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ آخری چہار شنبہ کی رسم زیادہ تر مغلیہ دور میں پروان چڑھی۔ منشی فیض الدین نے "بزم آخر" میں قلعہ معلیٰ دہلی کے آخری

چہار شنبہ کا حال لکھا ہے کہ بادشاہ، شہزادے اور دہلی کے مکین اس رسم میں ذوق و شوق سے حصہ لیتے اور بے تحاشا رقم بہاتے۔ اس رسم کا آغاز صفر کی تیرہ تاریخ کو ہوتا تھا، لیکن اب دیکھا گیا ہے کہ اس رسم کا رواج کمزور پڑ گیا ہے۔

## آس

**❊ آسمانی کتابیں:** الہامی کتب، وہ کتب جو کسی انسان کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئیں۔ اکثر پیغمبروں پر محض وحی مصحف کرانے کی ہدایت ہوئی یعنی انہیں صحائف لکھنے کا حکم ہوا جب کہ چند پیغمبروں پر کتابیں نازل ہوئیں۔ یہی کتابیں "آسمانی کتابیں" کہلاتی ہیں۔ یہ چار ہیں:

(الف)— زبور، جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔

(ب)— توریت، جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی۔

(ج)— انجیل، جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی۔

(د)— قرآن مجید، جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

ان میں سے پہلی تین کتب تو اپنی اصل حالت میں دنیا میں دستیاب نہیں، لیکن قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے۔ ← قرآن

## آل

**❊ آل رسول ﷺ:** حضرت فاطمہ کی نسل۔ دراصل نبی کریم ﷺ کی نسل آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ سے چلی ہے، اس لئے بنی فاطمہ کو "آل رسول" کہتے ہیں۔ انہیں "آلِ نبی" بھی کہا جاتا ہے تاہم علمائے اسلام نے آل رسول کے وجود کو دو طرح بیان کیا ہے، ایک جسمانی جس کا تعلق ماضی سے ہے اور دوسرا روحانی جس کا تعلق حال سے ہے۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جس کے نزدیک زیر بحث موضوع کا تعلق ماضی سے ہے، وہ آل رسول پیغمبر اسلام، آپ ﷺ کی بیٹی فاطمۃ الزہرا بنت رسول، آپ کے داماد اور چچیرے بھائی حضرت علی، آپ ﷺ کے دونوں نواسے حضرت حسن و حضرت حسین کو قرار دیتا ہے جب کہ روحانی پہلو سے بات کرنے والے گروہ کے نزدیک علاوہ ان پاکیزہ نفوس کے (جن کی تعظیم کرنا ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے) آپ ﷺ کی تمام اُمّت یعنی فرزندان توحید اور ملت اسلامیہ پر آل رسول ﷺ اطلاق ہوتا ہے۔

**❊ آل عبا:** حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کو آل عبا بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل ایک بار نبی کریم ﷺ نے ان افراد کو اپنی عبا کے نیچے لے کر دعا فرمائی تھی۔ اس وقت سے ان کو "آل عبا" بھی کہا جاتا ہے۔

## آم

**❊ آمنہ:** نبی کریم ﷺ کی والدۂ محترمہ کا نام۔ وہ خاندان قریش سے تھیں۔ والد وہب یثرب (مدینہ کا پرانا نام) جا کر آباد ہو گئے تھے۔ عبد المطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ (نبی کریم ﷺ کے والد محترم) سے ان کی شادی کر دی۔ آمنہ ایک پرہیزگار اور خداترس خاتون تھیں۔ والد کا نام وہب بن عبد مناف بن کلاب تھا اور والدہ کا نام برہ بنت عبد العزیٰ بن کلاب تھا۔ ان کا نکاح عبد المطلب کے بیٹے عبداللہ سے ہوا۔ اس نکاح کے بعد عبداللہ ایک تجارتی سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ ابھی راستے ہی میں تھے کہ انہوں نے وفات پائی۔ شوہر کی وفات کے بعد آمنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بیٹے سے نوازا جو بعد میں چل کر نبی ہوا یعنی محمدا (ﷺ)۔

رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ حمل میں آئے تو ان کو خواب میں بشارت دی گئی کہ تم اس اُمّت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو۔ جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا: اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد اور ان کا نام "محمد" رکھنا۔

حمل کے دوران آپ ﷺ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے شہر بصرہ و شام کے محل ان کو نظر آئے۔

آمنہ نے رواج کے مطابق نبی کریم ﷺ کو چھ ماہ کی عمر میں قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حضرت مائی حلیمہ سعدیہ کے ہمراہ بھیج دیا۔ اس طرح نبی کریم ﷺ چھے سال کی عمر کو پہنچ گئے۔ اب آپ ﷺ اپنی والدہ کے ساتھ رہنے لگے۔ حضرت آمنہ کو اپنے پیارے بیٹے کا بڑا خیال تھا۔ وہ آپ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتیں۔ حضرت آمنہ اپنے شوہر اور نبی کریم ﷺ کے والد کی قبر پر ہر سال جایا کرتی تھیں۔ اس سال بھی معمول کے مطابق انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھ لیا اور یثرب اپنے شوہر عبداللہ کی قبر پر پہنچ گئیں۔ یہاں ایک ماہ قیام کے بعد جب وہ واپس مکہ تشریف لا رہی تھیں تو مکہ اور یثرب (مدینہ) کے درمیان ایک مقام "ابوا" (⇦ابوا) پر ان کا بھی انتقال ہو گیا اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا۔ ⇦ آباو اجداد نبوی + عبداللہ + عبدالمطلب + ابوطالب + بچپن رسول۔

# آن

**❋ آنسہ مولیٰ:** صحابی رسول ﷺ۔ نام آنسہ تھا۔ کنیت ابو مسروح اور ابو مسرح تھی۔ سراۃ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے اسلام ہی میں اسلام قبول کیا اور سابقون الاولون میں داخل ہوئے۔ غلاموں میں سے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص انس تھا، اس لئے ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے اور دربانی کی ذمے داری نباہتے۔

حضرت آنسہ مولیٰ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور ایک روایت کے مطابق غزوۂ بدر میں، دوسری کے مطابق غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ تاہم جمہور اہل سیر کے نزدیک انہوں نے حضرت صدیق اکبر کے دور میں وفات پائی۔

⇦ سابقون الاولون + بدر، غزوہ + احد، غزوہ، + صدیق اکبر۔



# الف

## اب

**اباں بن سعید:** ایک صحابی جن کا شجرۂ نسب پانچویں پشت میں نبی کریم ﷺ سے جا ملتا ہے۔ غزوۂ بدر میں کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر جب کفار سے صلح مشورہ کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا تو وہ حضرت ابان بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہی کے گھر پر ٹھہرے۔ حضرت ابان نے حضرت عثمان کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ حضرت ابان غزوۂ خیبر سے پہلے اسلام لائے اور مکہ سے مدینہ آگئے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بحرین کا عامل مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں یمن کے گورنر بنائے گئے اور جنگ اجنادین میں شہادت پائی۔ ان کے سات بھائی تھے جن میں تین کے سوا باقی سب مشرف بہ اسلام ہوئے۔

**ابان بن عثمان:** محدث اور فقیہ۔ حضرت عثمان کے بیٹے ام عمرو بنت جندب کے بیٹے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے انہیں مدینہ کا والی مقرر کیا اور سات سال تین ماہ اور تیرہ دن اس عہدے پر فائز رہے۔ یزید بن عبدالملک کے عہد میں ۱۰۵ھ (۷۲۳ء) میں وفات پائی۔ ابان محدث اور فقیہ کے طور پر مشہور تھے۔ امام نووی کے مطابق ان کا شمار مدینہ کے خاص فقہا میں ہوتا تھا۔

**ابراہیم علیہ السلام:** نبی کریم ﷺ کے جد امجد، اللہ کے نبی۔ نبی حضرت محمد ﷺ سے خاص تعلق کی وجہ سے مسلمان نہ صرف رسول ﷺ پر درود بھیجتے ہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود بھیجتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کو ابوالانبیاء، خلیل اللہ، امام الناس، حنیف اور مسلم کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم کا نام "ابراہام" ہے۔ (پیدائش (۱۷=۵) اکثر ماہرین کے نزدیک ابراہام یا ابراہیم عجمی لفظ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپؑ کا نام "ابرام" ہو اور پھر "براہام" یا "ابورہام" ہو گیا ہو۔

قرآن حکیم کی رو سے بچپن ہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "رشد" (الانبیا: ۱۵)، اور "قلب سلیم" (الصافات: ۸۴)، عطا ہوا اور کائنات کے مشاہدے سے آپ کو یقین کامل حاصل ہوا۔ (الانعام: ۷۵)

### حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت

کسدیوں کے قدیم شہر "ار" (UR) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی جو جنوبی عراق میں دریائے فرات کے کنارے بابل اور نینوا سے پہلے آباد تھا۔ اس کا محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل تل ابیب کے نام سے موسوم ہے۔ اب تک اس شہر کا نام صرف تورات کے صفحات میں محفوظ ہے اور فلاڈلفیا یونیورسٹی امریکہ کے عجائب خانے اور برطانوی عجائب گھر کی ایک مشترکہ جماعت نے موجودہ صدی میں اس شہر کے آثار تلاش کئے ہیں اور اس انکشاف سے حضرت ابراہیم کی سرگزشت اور ان کے حالات زندگی اور بھی واضح ہو گئے ہیں۔ آپؑ کی وفات فلسطین یا موجودہ شام میں ہوئی جس کو پہلے زمانے میں کنعان بھی کہتے تھے۔ وہ مقام جہاں آپؑ کا وصال ہوا، تورات میں "حبرون" کے نام سے مذکور ہے۔ آپؑ کا مدفن مکفیلہ کے کھیت کا غار بتایا گیا ہے جو حبرون کے سامنے واقع تھا۔ نیز تورات یہ بھی بتاتی ہے کہ آپؑ اہل قدان میں سے تھے اور آپؑ کی قوم بت پرست تھی۔

انجیل برنباس میں تصریح ہے کہ آپؑ کے والد نجاری کا پیشہ کرتے

اور اپنی قوم کے مختلف قبائل کے لکڑی کے بت بنا کر فروخت کرتے تھے، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی۔ قرآن حکیم میں آتا ہے: "اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو اول روز ہی سے رشد و ہدایت عطا کی تھی اور ہم اس کے معاملے کے جاننے والے تھے جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا، یہ مجسمے کیا ہیں جن کو تم لئے بیٹھے ہو۔ کہنے لگے، ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا، بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، کیا تو ہمارے لئے کوئی حق لایا ہے یا یوں ہی مذاق کرنے والوں کی طرح کہتا ہے۔ ابراہیم نے کہا، یہ تمہارے رب نہیں ہیں بلکہ تمہارا پروردگار زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔" (الانبیا:۵۶)

تورات کی تصریح کے مطابق، حضرت نوح سے حضرت ابراہیم تک دس پشتیں ہیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے: حضرت ابراہیم بن تارح بن ناحور سروج بن رعو بن فالجبن عابر بن شالح بن ارفکشاذ بن نوح بن ہود۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر بتایا ہے۔ اس کی تطبیق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، اول یہ کہ اس کا نام تارح اور لقب آزر تھا، اور دوم یہ کہ تارح باپ اور آزر چچا تھا جس نے آپ کی پرورش کی۔ چونکہ عربی میں باپ اور چچا کے لئے ایک ہی لفظ مستعمل ہے، اس لئے قرآن نے اس کو "اب" (باپ) کہا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ زمانہ قدیم میں لوگ اپنی اولاد کے نام بتوں کے نام پر رکھ لیتے تھے، لیکن ممکن ہے کہ تارح کا نام اسی لئے آزر رکھا گیا ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد سورۂ انبیا کی تفسیر و تشریح کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے والد تارح کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔ چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اس لئے آزر کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آزر قدیم کالدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے جس نے بعد کو عربی آزر کی شکل اختیار کر لی، اسی لئے قرآن نے اس کا ذکر آزر کے نام سے کیا ہے۔ (ترجمان القرآن)

تارح آزر کے تین بیٹے تھے، ابراہیم، ہاران اور ناحور۔ ہاران اپنے باپ کی زندگی ہی میں اپنے بیٹے لوط کو چھوڑ کر مر گیا۔ ناحور کے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ کب اور کہاں رہا، البتہ ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں نام پایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوئے اور نبی بنائے گئے۔

لفظ ابراہیم، "اب و راحم" سے مرکب ہے جس کے معنی "مہربان باپ" کے ہیں۔ امام رازی و دیگر کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد بت گر و بت فروش نہیں بلکہ مؤمن و موحد انسان تھے۔ صنم پرستی اور صنم فروشی کا کاروبار آپ کے چچا کرتے تھے جن کا نام آزر تھا۔ ابوالفدا مورخ نے حضرت نوح کے طوفان اور حضرت ابراہیم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار اکیاسی برس کا فاصلہ شمار کیا ہے۔ طبری نے ۱۹۸۰ برس لکھا ہے۔ نیز طبری کی رائے میں بعض اہل کتاب کا خیال ہے کہ طوفان اور ولادت ابراہیمی میں ایک ہزار دو سو تریسٹھ سال کا فرق تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت جن حالات میں ہوئی وہ نہایت مخدوش اور نامساعد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپؑ کی ولادت سے قبل نجومیوں نے نمرود کو پیشین گوئی کی تھی کہ اسی سال ایک بچے کی ولادت سے تمہاری حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور تمہارا شاہی مذہب باطل ٹھہرے گا۔ نمرود کے استفسار پر نجومیوں نے اس بچے کا نام ابراہیم بتایا۔ چنانچہ نمرود نے یہ سنتے ہی تمام شہر میں منادی کرا دی کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کے پاس نہ جائے اور جو بھی لڑکا اس سال میں پیدا ہو، اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم ایک مدت تک جاری رہا اور ہزاروں بے گناہ معصوم بچے قتل کر دیئے گئے۔ حضرت ابراہیم کی والدہ آپ کی ولادت سے قبل ایک غار میں چھپ گئیں جہاں آپؑ تولد ہوئے۔ آپ کی پرورش ایک عرصہ تک غار ہی میں ہوتی رہی حتیٰ کہ آپ سن بلوغ کو پہنچ گئے اور آپ نے علی الاعلان بت پرستی کی مخالفت اور تکذیب فرمائی۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابراہیم ان قبائل سامیہ میں مبعوث ہوئے جو بابل، شام اور مصر میں آباد تھے اور سفر تکوین کی رو سے آپ کی ان تینوں ملکوں میں آمد و رفت اور سفر و اقامت ثابت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانے میں پیدا ہوئے اس وقت بابل اور مصر پر بھی قدیم سامی

قومیں حکمران تھیں جن کو "عاد" اور "ثمود" کہتے ہیں۔ بابلی قوم (صابی) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سیارہ پرست تھے۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ستارہ پرستی کے علاوہ بت پرستی بھی ان کا شیوہ تھا۔ اس زمانے کے سامیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ تمام دنیا ارواح سے بھری ہوئی ہے جن میں زیادہ تر ارواح خبیثہ اور کچھ ارواح طیبہ ہیں۔ ان کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ ارواح خبیثہ کو نذر و نیاز، قربانی اور چڑھاوے سے خوش کرنا چاہئے اور ارواح طیبہ کو مدح و ثنا گا کر ان کے مقابلے کے لئے تیار کرنا چاہئے۔ ان میں سے ہر روح کا مسکن ایک ستارہ ہے۔ بابل کے کھنڈرات میں جو تختیاں اور ہیکلوں کے جو کتبات پڑھے گئے ہیں ان میں بیسیوں معبودوں کے نام ملتے ہیں۔

قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر مطلق کان نہ دھرے بلکہ آپ کا مذاق اڑایا۔ اس سلسلے میں حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے باپ کو دعوت حق کی طرف مائل کرنا چاہا، مگر اس نے اپنے بیٹے کو دھمکایا اور کہا کہ اگر تو بتوں کی برائی سے باز نہیں آئے گا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ اس پر حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا کہ میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ سورۂ مریم میں اللہ تعالٰی نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے:

"اور اے پیغمبر! الکتاب میں ابراہیم کا ذکر کر، یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا۔ اس وقت کا ذکر جب اس نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! تو کیوں ایسی چیز کو پوجا کرتا ہے جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے۔ اے میرے باپ! میں سچ کہتا ہوں، علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو تجھے نہیں ملی۔ پس میرے پیچھے چل اور میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔"

باپ اور بیٹے کے درمیان جب اتفاق کی کوئی صورت نہ بنی اور آزر نے کسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا تو حضرت ابراہیم نے آزر سے جدائی اختیار کرلی اور اپنی دعوت حق اور پیغام رسالت کو وسیع کر دیا۔ اب وہ پوری قوم سے مخاطب تھے، لیکن اس قوم نے آپؑ کی ایک نہ سنی اور اپنے باطل معبودوں کی طرح دعوت حق کے سامنے گونگے، اندھے اور بہرے بن گئے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تبلیغ کا آغاز کیا تو سب سے پہلے اپنے باپ کو دین حنیف کی تلقین کی، حق کا پیغام سنایا اور راہ مستقیم دکھائی۔ اس کے بعد عوام کے سامنے اس دعوت کو عام کیا اور سب کو امر حق تسلیم کرانے کے لئے فطرت کے بہترین اصول و دلائل پیش کئے، اور مضبوط و مستحکم اور روشن حجت و دلیل کے ساتھ ان پر حق کو واضح کیا اور سب سے آخر میں بادشاہ نمرود سے مناظرہ کیا۔ اس پر روشن کیا کہ ربوبیت و الوہیت کا حق خدائے واحد کو حاصل ہے اور بڑے بڑے شہنشاہ بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حام کی اولاد میں جس شخص نے سب سے پہلے حکومت اور سلطنت کی بنیاد ڈالی، وہ کنعان بن حام بن نوح تھا۔ کنعان نے دریائے دجلہ و فرات کے زیریں حصے پر "بابل" نام کے ایک شہرۂ آفاق شہر کی بنیاد رکھی۔ یہ شہر اٹھارہ مربع میل میں آباد ہوا اور اس میں ۷۵ میل لمبی، ۶۰ میل چوڑی اور ۲۵۰ فیٹ اونچی شہر پناہ گاہ بنائی گئی جس میں یکساں فاصلے پر پیمائش کر کے ۱۰۰ پھاٹک بنائے گئے۔ ان پھاٹکوں میں ٹھوس برنجی پٹ چڑھے ہوئے تھے۔ ہر پہلو پر پچیس پچیس پھاٹک تھے جن سے مختلف سڑکیں نکل کر بہ خط مستقیم پھاٹکوں تک پہنچتی تھیں۔ ان شاہراہوں کے تقاطع سے شہر کے اندر خود بہ خود برابر کے مربع قطعات بن گئے تھے۔ اس طرح بابل تمام کا تمام شہر ۶۷۶ علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں میں تقسیم تھا۔ ہر ٹکڑا بجائے خود ایک مستحکم قطعے کی حیثیت رکھتا تھا۔ نیز شہر کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانے کے لئے ۲۵۰ خوب صورت اور عالی شان برج تعمیر کئے گئے جن میں شبانہ روز مسلح فوج رہتی تھی اور فوج کا ایک معتد بہ حصہ دن رات برابر اس دیوار پر گشت کرتا رہتا تھا۔ کنعان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ناصد تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے وقت کا جابر بادشاہ تھا جس سے لوگ خوف کھاتے تھے۔ اس کے پاس بے پناہ دولت و حشمت تھی اور ان گنت لاؤ لشکر تھا۔ روئے زمین پر یہی ظالم اور متکبر بادشاہ نمرود کے نام سے مشہور ہوا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت حق دی۔ نمرود حضرت ابراہیم کی دعوت سن کر غیظ و غضب میں آگیا اور اس نے دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے مذہب کی مخالفت کرنے پر

حضرت ابراہیم کو دہکتی آگ میں جلا دینے کا حکم دے دیا۔ حضرت ابراہیم نے اس کی مطلق پروانہ کی اور بے خوف و خطر آتش نمرود میں کود پڑے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت آپؑ کے ساتھ شامل حال تھی۔ جونہی آپؑ آتش نمرود میں داخل ہوئے، وہ گلزار خلیل میں تبدیل ہوگئی اور حضرت ابراہیم آگ میں سے سالم و محفوظ مسکراتے ہوئے باہر نکل آئے۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم کے اس معجزے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"وہ سب کہنے لگے، اس ابراہیم کو جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم کرنا چاہتے ہو۔ ہم نے حکم دیا، اے آگ! تو ابراہیم کے حق میں سرد اور سلامتی بن جا اور انہوں نے ابراہیم کے ساتھ کفر کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو ان کے ارادے میں ناکام بنا دیا۔" (سورۃ الانبیا)

"انہوں نے کہا، اس کے لئے ایک جگہ بناؤ اور اس کو دہکتی آگ میں ڈالو۔ پس انہوں نے اس کے ساتھ برا ارادہ کیا، تو کر دیا ہم نے ان کو (ابراہیم کے مقابلے میں) پست اور ذلیل۔ اور کہا ابراہیم نے، میں جانے والا ہوں اپنے پروردگار کے پاس، قریب ہے وہ مجھے راہ یاب کرے۔" (سورۃ صافات)

آگ میں پھینکے جانے کی آزمائش کے بعد حضرت ابراہیم نے قوم سے خطاب کیا اور انہیں دوبارہ تلقین کی کہ وہ بت پرستی چھوڑ دیں اور اپنے خالق حقیقی سے لو لگالیں۔ آپؑ نے لوگوں پر واضح کیا کہ اگر تم بت پرستی و بت فروشی سے باز نہ آئے تو تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ اس وقت کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔ اس واقعے کے بعد جب ابنائے قوم اور باپ کے مظالم اور سختیاں بہت زیادہ ہوگئیں تو آپؑ نے منشائے الٰہی کے مطابق سرزمین شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ ملک شام ہی وہ بابرکت زمین ہے جس کا وعدہ آپؑ کی اولاد سے کیا گیا تھا، اس لئے اس کو "وعدہ کی سرزمین" بھی کہتے ہیں۔ تورات کی تصریح کے مطابق ہجرت کے وقت آپؑ کی عمر پچھتر سال تھی۔ اس سرزمین پر آپؑ کی نسل نے حکمرانی کی جس کا آغاز آپؑ کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہوا۔ حضرت یعقوب کا لقب "اسرائیل" تھا۔ شام میں سکونت کے دوران حضرت ابراہیم کو اللہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً بشارتیں بھی ملتی رہیں۔

کنعان (شام) میں جب قحط پڑا تو حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی حضرت سارہ اور حضرت لوط کے ہمراہ مصر کا سفر اختیار کیا۔ اس وقت کا حکمران آپ کا ہم نسب تھا، جس کا نام "علوان بن سان" تھا۔ وہ مصر کا پہلا فرعون مشہور ہوا۔ اس نے حضرت سارہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا ناپاک ارادہ کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کی حفاظت فرمائی۔ شاہ مصر، حضرت سارہ کی کرامت دیکھ کر ڈر گیا۔ اس نے حضرت ابراہیم کو مصر سے رخصت ہوتے وقت تحائف کے ساتھ اپنی بیٹی بھی خدمت میں پیش کی۔ مصر کی یہی شہزادی حضرت ہاجرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت ہاجرہ کا عبرانی نام "ہافار" تھا۔ جب فرعون مصر نے ان کو حضرت سارہ کو دیا تو ان کا نام آجر ٹھہرا پھر انہوں نے جب ہجرت کی اور مکہ میں آکر آباد ہوگئے تو آپ کا نام ہاجرہ ہوا۔

حضرت سارہ بانجھ تھیں۔ جب ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو کنعان میں قیام کے دس سال بعد انہوں نے حضرت ہاجرہ کو خود حضرت ابراہیم کی زوجیت میں دے دیا جن کے ہاں پہلے سال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تولد ہوئے۔ خاندان اور وطن چھوڑتے وقت حضرت ابراہیم نے بارگاہ ایزدی میں اولاد صالح کے لئے دعا کی تھی۔ حضرت اسمٰعیل آپؑ کے پہلے فرزند تھے۔ ان سے اگلے سال حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے پھر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجاز کی طرف ہجرت کرنے اور کعبۃ اللہ کی تعمیر اور حج و قربانی کا حکم ہوا۔ حضرت سارہ کا کنعان میں ۱۲۷ برس کی عمر میں انتقال ہوا تو ان کے بعد حضرت ابراہیم نے حضرت قطورا سے تیسری شادی کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا سلسلہ نسب انہی سے ملتا ہے۔ حضرت سارہ کے انتقال کے بعد آپ ۳۸ سال زندہ رہے اور ۱۷۵ سال کی عمر میں آپؑ کا وصال ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت بلند اور عظیم المرتبت پیغمبر تھے۔ خلیق، رحم دل، بردبار، متواضع، مہمان نواز، خدا ترس اور خدا شناس..... الغرض ہزاروں خوبیاں آپؑ میں تھیں۔ تعمیر کعبہ کے وقت آپؑ نے حضور ﷺ کی پیدائش کے لئے دعا فرمائی تھی۔ آپؑ کے انتقال کے بعد دنیا میں جتنے انبیا مبعوث ہوئے وہ سب آپؑ کی اولاد

میں سے تھے۔ آپؑ کو "ابوالانبیا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپؑ پر دس صحیفے نازل ہوئے۔

## ہارون یحییٰ کی تحقیق

ترکی کے مشہور اور منفرد محقق جناب ہارون یحییٰ نے اپنی ایک کتاب "پیرشڈ نیشنز" (PERISHEDNATIONS) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی ایک باب تحریر کیا ہے۔ اپنی کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذیل میں ہارون یحییٰ تحریر کرتے ہیں:

عہد نامہ قدیم حضرت ابراہیم کے بارے میں معلومات کا غالباً سب سے تفصیلی ذریعہ ہے۔ اگرچہ اس میں زیادہ تر غیر معتبر روایات ہیں۔ اس کی روایت کے مطابق، حضرت ابراہیم "ار" میں ۱۹۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ یہ شہر اپنے زمانے کے اہم ترین شہروں میں سے ایک تھا اور میسوپوٹیمیا کے میدانی علاقے کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کا نام "ابراہیم" یا "ابراہام" (IBRAHAM) نہیں تھا بلکہ "ابرام" (ABRAM) تھا۔ بعد میں خدا نے ان کا نام بدل دیا۔

عہد نامہ قدیم کے مطابق، ایک دن خدا نے ابرام سے اپنے ملک و قوم کو چھوڑ کر نامعلوم ملک کی طرف سفر کرنے اور وہاں نیا معاشرہ شروع کرنے کو کہا۔ پچھتر سال کی عمر میں ابرام یہ حکم سننے کے بعد اپنی بانجھ بیوی ساری (sarai = جو بعد میں سارہ یعنی ملکہ کے نام سے جانی گئیں) اور اپنے بھائی کے بیٹے لوط کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ منتخبہ مقام کی تلاش کے دوران وہ لوگ ایک اثنا کے لیے حاران میں رکے، اور پھر اپنا سفر جاری رکھا۔ جب وہ لوگ کنعان پہنچے جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ جگہ خاص طور پر ان کے لئے منتخب کی گئی اور عطیہ کی گئی ہے۔ جب ابراہیمؑ ۹۰ سال کے ہوئے تو انہوں نے خدا سے ایک معاہدہ کیا اور ان کا نام بدل کر ابراہام (ابراہیم) کر دیا گیا۔ ایک سو پچھتر سال کی عمر میں وہ فوت ہوئے اور ان کو مغربی کنارے میں حبرون (الخلیل) شہر کے قریب مکفیلہ کے غار (caveof machpelah) میں دفن کیا گیا جو اب اسرئیل کے زیر تسلط ہے۔ یہ جگہ ابراہیم علیہ السلام نے خریدی تھی اور اس خاص زمین پر ان کی اور ان کے خاندان کی پہلی ملکیت تھی۔

## ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش عہد نامہ قدیم کے مطابق

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش ہمیشہ سے موضوع بحث رہی ہے۔ عیسائی اور یہودی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنوبی میسوپوٹیمیا میں پیدا ہوئے، جبکہ اسلامی دنیا میں یہ خیال عام ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش عرفہ حران (urfa - harran) کے قریب ہے۔ چند نئے مطالعوں کے مطابق، یہودی اور عیسائی نظریے مکمل سچائی ظاہر نہیں کرتے۔

یہودی اور عیسائی عہد نامہ قدیم کے بیان پر انحصار کرتے ہیں اور اس میں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ جنوبی میسوپوٹیمیا میں واقع شہر "ار" میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اس شہر آئے اور پھر انہیں مصر جانے کو کہا گیا۔ ترکی میں حران کے علاقے سے گزرتے ہوئے وہ ایک لمبے سفر کے بعد مصر پہنچے۔

تاہم عہد نامہ قدیم کے دریافت شدہ ایک حالیہ مسودے نے ان معلومات کی صداقت کے بارے میں بڑے شبہات پیدا کر دئیے ہیں۔ تیسری صدی قبل مسیح کے اس یونانی مسودے میں کہ جس کے بارے میں خیال ہے کہ اب تک معلوم عہد نامہ قدیم کا یہ سب سے قدیم نسخہ ہے، "اُر" کا قطعاً ذکر نہیں ہے۔ اب عہد نامہ قدیم کے محققین کہتے ہیں کہ لفظ "ار" نامناسب یا بعد کا اضافہ (تحریف) ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام "ار" میں پیدا نہیں ہوئے اور نہ کبھی اپنی زندگی میں میسوپوٹیمیائی خطے میں رہے۔

مزید یہ کہ یہ لوگ جن مقامات کا نام لیتے ہیں اور جن خطوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، وقت کے ساتھ بدلتے رہے۔ دور حاضر میں میسوپوٹیمیائی میدانوں سے عموماً دریائے دجلہ و فرات کے درمیان عراق کے جنوبی کنارے کی زمین مراد لی جاتی ہے۔ جب کہ آج سے دو ہزار برس قبل میسوپوٹیمیا کا اطلاق اس مشرقی حصے پر ہوتا تھا جو حاران

سے لے کر موجودہ ترکی تک پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ اگر ہم عہد نامہ قدیم میں بیان کردہ ''میسوپوٹیمیائی میدان'' کو درست تسلیم کرلیں تو یہ سمجھنے میں غلطی ہوسکتی ہے کہ اس سے مراد دو ہزار سال پہلے کا میسوپوٹیمیا اور آج کے میسوپوٹیمیا یکساں علاقے ہیں۔

حتیٰ کہ اگر ''ار'' شہر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش ہونے پر بہت سے شبہات و اختلافات ہیں تو اس معاملے پر اتفاق ہے کہ حاران اور اس کا مضافاتی علاقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جائے رہائش تھے۔ مزید یہ کہ عہد نامہ قدیم پر ہونے والی ایک مختصر تحقیق واضح کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش حاران تھی۔ مثال کے طور پر عہد نامہ قدیم میں حاران کے علاقے کا تعین ''ارامی علاقہ'' کے طور پر کیا گیا ہے۔ (کتاب پیدائش ۱۱:۳۱،۲۸:۱۰)۔

یہ کہا جاتا ہے کہ جو لوگ ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے آئے، ایک ''ارامی'' کے بیٹے تھے۔ (کتاب استثنا ۵:۲۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک ''ارامی'' کے طور پر شناخت یہ ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی اس علاقے میں گزاری۔

## عہد نامہ قدیم میں کیوں تحریف کی گئی؟

عہد نامہ قدیم اور قرآن پاک میں دو مختلف نبیوں کا ذکر ملتا ہے جنہیں ابراہام (Abraham) اور ابراہیم (Ibrahim) کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ایک بت پرست قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ان کی قوم کے لوگ آسمان، ستاروں، چاند اور کئی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی ضعیف الاعتقادی کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس کے نتیجے میں پورے معاشرے کی بہ شمول اپنے باپ کے، دشمنی مول لی۔

جب کہ ایسی کسی بات کا عہد نامہ قدیم میں ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے اور اپنی قوم کے بتوں کو توڑنے کی کوئی وضاحت عہد نامہ قدیم میں نہیں ہے بلکہ عہد نامہ قدیم میں عمومی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودیوں کا جد اعلیٰ (بزرگ) ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ عہد نامہ قدیم میں یہ نقطہ نظر یہودیوں کے پیشواؤں سے لیا گیا ہے جن کے پیش نظر اپنے نسب کو بیان کرنا تھا۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو خدا نے منتخب کیا ہے اور وہ سب سے اچھی قوم ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس عقیدے کی مطابقت میں اپنی الہامی کتاب میں دیدہ و دانستہ اضافے اور کمی بیشی کرکے اس میں تحریف کر ڈالی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عہد نامہ قدیم میں محض یہودیوں کا جد اعلیٰ دکھایا گیا ہے۔ عیسائی جو عہد نامہ قدیم کو مانتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودیوں کے پیشوا اور جد اعلیٰ تھے، لیکن ان کے عقیدے میں ایک فرق ہے۔ عیسائیوں کے مطابق، حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی نہیں تھے بلکہ عیسائی تھے۔ عیسائی جو نسب کے نظریے کو تسلیم نہیں کرتے (جیسا کہ یہودی کرتے ہیں) یہ دعویٰ کرتے ہیں اور دونوں مذاہب کے درمیان اختلاف اور کشمکش کی ایک وجہ یہ نظریہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضمن میں قرآن مجید میں درج ذیل وضاحت فرماتے ہیں:

''اے اہل کتاب! کیوں حجت کرتے ہو (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں حال آنکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل، مگر ان کے (زمانے کے بہت) بعد۔ کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسی بات میں حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی سو ایسی بات میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، لیکن (البتہ) طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔ بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (ﷺ) ہیں اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے۔'' (سورہ آل عمران: ۶۵ تا ۶۸)

عہد نامہ قدیم کے برعکس قرآن پاک کے مطابق، حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسے فرد تھے جنہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو تنبیہ کی تاکہ وہ لوگ اللہ سے ڈریں اور حتی المقدور کوشش کی کہ وہ باز آجائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جوانی ہی میں تبلیغ کا آغاز کر دیا اور

بتوں کی پوجا کرنے والوں کو کہا کہ وہ بتوں کی پرستش سے باز آجائیں۔ ان کی قوم کے لوگوں نے اس پر انہیں قتل کرنے کی کوشش کی۔ ان کی اس سازش سے بچ جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام آخر کار ترک وطن کر گئے۔

⇐ آباواجداد نبوی ﷺ + آب زم زم + اسمٰعیل علیہ السلام + مکہ + کعبہ + مدینہ + یثرب۔

**ابراہیم بن محمدؐ:** نبی اکرم ﷺ کی آخری اولاد جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ذی الحجہ آٹھ ہجری کو پیدا ہوئے۔ جس مقام پر آپؓ پیدا ہوئے، اس کا نام "عالیہ" تھا۔

حضرت ابراہیم کی پیدائش کے موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر نبی اکرم ﷺ سے فرمایا، اے ابراہیم کے والد! آپ ﷺ پر سلامتی ہو۔

حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق، حضرت ابراہیم کی ولادت کے وقت حضور ﷺ نے ان کی والدہ (حضرت ماریہ) کی آزادی کا اعلان کیا

صرف ۱۶ ماہ زندہ رہنے کے بعد حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ۱۷ یا ۱۸ ماہ زندہ رہے۔ بیہقی کی روایت کے مطابق صرف دو مہینے دس دن کے بعد انتقال ہوا۔ واقدی کے نزدیک ۶ ربیع الاول ۱۰ ہجری کو ان کا انتقال ہوا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ حضرت عبدالرحمان بن عوف کے ہمراہ ام سیف کے مکان پر پہنچے اور اپنے بیٹے کے انتقال پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس پر حضرت عبدالرحمان بن عوف نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے عرض کیا کہ اے پیغمبر خدا! اگر آپ ﷺ نے اس طرح رونا شروع کر دیا تو دوسرے مسلمانوں سے ضبط کا دامن چھوٹ جائے گا اور وہ بھی رونا شروع کر دیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ رونا صرف اظہار رنج کے طور پر ہے، کیونکہ جو دوسرے کے لئے افسوس نہیں کرتا، دوسرے بھی اس کے لئے اظہار غم نہیں کرتے۔ پھر آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ میں نے لوگوں کو ماتم کرنے اور سینہ کوبی سے منع کیا ہے۔ بے شک ہم سب کو اپنے سے پہلے اٹھ جانے والوں سے جاملنا ہے لہٰذا ہمیں کوئی ایسا فعل نہیں کرنا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب ابراہیمؓ کی بقیہ پرورش جنت الفردوس میں ہوگی۔

حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادے کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔⇐ ماریہ قبطیہ۔

**ابرہہ، بادشاہ:** وہ عیسائی حکمراں جس نے صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا اور خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ چلا۔ اس کا ارادہ مکہ کو ڈھانے کا تھا تاکہ لوگ عرب میں موجود عبادت گاہ (مکہ) کو چھوڑ کر اس کی تعمیر کردہ عبادت گاہ میں عبادت کے لئے آئیں، لیکن جب وہ اپنے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول کے ذریعے اس کے ہاتھیوں کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے تقریباً پچاس دن پہلے ہوا تھا۔ سورۂ فیل (پارہ ۳۰) میں اس کا ذکر ہے۔ ابرہہ ایک بازنطینی تاجر کا عیسائی غلام تھا۔ حبشہ کے بادشاہ کے مقرر کردہ حاکم یمن سمائفع کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا۔ بعد ازاں حاکم حبشہ کو خراج بھی ادا کرنے لگا۔ وہ خود کو عزلی (نائب السلطنت) کے لقب سے یاد کرتا تھا۔

**ابرہہ، صحابی:** صحابی رسول ﷺ۔ شام اور حبشہ کے رہنے والے تھے اور اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے۔ ان کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی، تاہم قرائن سے اتنا پتا چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ کرام مکہ سے حبشہ ہجرت کر کے گئے تو انہوں نے اسی وقت اسلام قبول کیا تھا (واللہ اعلم)۔ حافظ ابن حجر نے "اصابہ" میں دو بزرگوں کی تفصیل دی ہے جن کے نام "ابرہہ" تھے: ایک ابرہہ حبشی اور دوسرے ابرہہ آخر۔ ان میں سے ابرہہ حبشی کو نجاشی بادشاہ کے دربار میں رسوخ کا موقع ملا۔ انہی کے ذریعے اہل حبشہ اسلام سے

متعارف ہوئے اور اکثر نے اسلام بھی قبول کیا۔ جب حضرت جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے مدینہ کی طرف آرہے تھے تو اسی قافلے کے ساتھ کچھ نومسلم اہل حبشہ بھی ہو لئے جن میں حضرت ابرہہ بھی شامل تھے۔ بعد میں حضرت ابرہہ نے غزوۂ احد میں بھی شرکت کی۔ ⇐ ہجرت حبشہ + اصحمہ + نجاشی۔

**✽ ابرہہ، لونڈی:** ایک لونڈی جس نے اُمّ حبیبہؓ کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیغام پہنچایا تھا۔ اس کے بارے میں اس سے زیادہ تفصیل ہمیں نہیں مل سکی۔ ⇐ ام حبیبہؓ

**✽ ابن اسحاق:** محدث۔ مدینہ میں ۸۵ھ (۷۰۴ء) میں پیدا ہوئے۔ احادیث جمع کرنے کا شوق تھا۔ انہوں نے ہجرت نبوی تک کا مواد دو جلدوں میں "المبتداء" کے نام سے جمع کیا۔ مالک بن انس کی مخالفت کی وجہ سے مصر چلے گئے۔ وہاں سے عراق کا رخ کیا۔ ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں بغداد میں انتقال کیا۔

**✽ ابن الدغنہ:** قبیلہ "قارہ" کا رئیس۔ یہی وہ شخص ہے جس کی ملاقات برک الغماد کے مقام پر حضرت ابوبکر سے ہوئی تھی اور وہ حضرت ابوبکر کو اپنی پناہ میں واپس مکہ لے آیا تھا۔ ⇐ ابوبکر صدیق + صدیق اکبر + ابوبکر۔

**✽ ابن اُمّ مکتوم:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کا پورا نام عبداللہ بن ام مکتوم تھا۔ باپ کا نام "مقیس" تھا۔ آپ نابینا تھے۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ایک بار نبی کریم ﷺ قریش کے امرا کو تبلیغ کر رہے تھے کہ حضرت ابن ام مکتوم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر نبی کریم ﷺ نے ان پر توجہ نہ دی۔ اس پر سورۂ عبس کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ ہجرت مدینہ کے بعد موذن بنا دیئے گئے۔ مدینہ میں اکثر انہی کو نائب مقرر کیا جاتا۔ آپ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ واقدی کے مطابق، مدینہ میں فوت ہوئے، لیکن زبیر بن بکار کے مطابق، جنگ قادسیہ (۱۵ھ) میں شہادت نوش کی۔

**✽ ابن تیمیہ، امام:** مفسر و محدث۔ پورا نام تقی الدین بن ابوالعباس احمد بن شہاب الدین عبدالحلیم بن مجد الدین عبدالسلام بن عبداللہ بن الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ بن تیمیہ الحرانی تھا۔ علما کے خاندان میں حران میں ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ (۲۳ جنوری ۱۲۶۳ء) کو پیدا ہوئے۔ امام ابن تیمیہ حنبلی فقہ کے استاد تھے۔ جب انہوں نے مختلف فرقوں کے خلاف عملی و قلمی جہاد شروع کیا تو ۱۸ شوال ۷۰۷ھ کو قاہرہ کے سلطان کے حکم سے حارالدیلم میں قید کر دیا گیا تاہم ڈیڑھ دو برس کے بعد چھوڑ دیا گیا اور سلطان الناصر نے اپنے مدرسے میں ان کو مدرس لگا دیا۔ دوسری بار رجب ۷۲۰ھ (اگست ۱۳۲۰ء) میں طلاق کی قسم کا فتویٰ دینے کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے۔ چھے ماہ بعد رہا کر دیئے گئے، لیکن ایک بار پھر شعبان ۷۲۶ھ (جولائی ۱۳۲۶ء) میں قبر پرستی کے فتوے کے جرم میں قید کر دیا گیا۔ ابن تیمیہ نے تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، لغت، فلکیات، الجبرا، تقابل ادیان وغیرہ پر پانچ سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ۲۰ ذو القعدہ ۷۲۸ھ (۲۷ ستمبر ۱۳۲۸ء) میں ان کا انتقال ہوا۔

**✽ ابن جوزی:** محدث اور مورخ۔ پورا نام عبدالرحمان بن علی بن محمد ابوالفرج جمال الدین الکرشی تھا۔ بغداد میں ۵۱۰ھ (۱۱۱۶ء) میں پیدائش ہوئی۔ یہیں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور یہیں پر اپنے سلسلہ مواعظ میں قرآن مجید کی تفسیر مکمل کی۔ اس لحاظ سے وہ عالم اسلام کے پہلے مفسر ہیں۔ ان کی کتابوں میں "تلبیس ابلیس" آج بھی بہت معروف کتاب ہے۔ انہوں نے امام غزالی کی کتاب "احیائے علوم الدین" کو ضعیف احادیث سے پاک کر کے ایک نسخہ بھی ترتیب دیا تھا۔ آخری عمر میں حضرت عبدالقادر جیلانی کو نہ ماننے اور ان کے لڑکے سے مخالفت کی وجہ سے شہرواسط میں قید کر دیئے گئے۔ پانچ سال کے بعد رہا کر دیئے گئے جس کے تھوڑے ہی عرصے بعد بغداد میں ۵۹۷ھ (۱۲۰۰ء) میں انتقال کر گئے۔

**✽ ابن سعد:** محدث و مورخ۔ پورا نام ابوعبداللہ محمد بن سعد بن معن البصری تھا۔ بصرہ میں ۱۶۸ھ (۷۸۴ء) میں پیدا ہوئے اور ۲۳۰ھ (۸۴۵ء) میں وفات پائی۔ ان کی "طبقات ابن سعد" نہایت

مشہور کتاب ہے۔ ابتدائی عمر میں غلام تھے۔ قبیلہ بنی یربوع سے تعلق تھا۔ ابتدائی تعلیم بصرہ میں حاصل کی پھر بغداد چلے گئے۔ علم کی خدمت کرتے کرتے بغداد ہی میں جان دے دی۔

**٭ابن عبدالبر:** محدث اور فقیہ۔ پورا نام ابوعمر یوسف بن عبدالبر تھا۔ ۲۵ ربیع الثانی ۳۶۸ھ (۳۰ نومبر ۹۷۸ء) میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ربیع الثانی ۴۶۳ھ (۲۴ جنوری ۱۰۷۱ء) میں وفات پائی۔ احادیث جمع کرنے کا اتنا شوق تھا کہ اس کے لئے مارے مارے پھرتے تھے۔ شاطبہ کے قریب وفات پائی۔ تصانیف میں "کتاب الصغیر"، "الاستذکار"، "تمہید الموطا"، "بہجۃ المجالس وانس المجالس" زیادہ مشہور ہیں۔

**٭ابن عساکر:** محدث۔ پورا نام حافظ ابوالقاسم علی بن ابی محمد الحسن بن ہبۃ اللہ تھا جب کہ "ابن عساکر" عرف تھا۔ دمشق کے رہنے والے تھے۔ شام کے مستند شافعی فقہا و محدثین میں شمار ہوتے تھے۔ ۴۹۹ھ (۱۱۰۵ء) کو پیدا ہوئے اور ۵۶۲ھ (۱۱۷۵ء) میں انتقال ہوا۔ ⇐ حدیث

**٭ابن فرح الاشبیلی:** محدث۔ شافعی تھے۔ پورا نام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن فرح بن احمد بن محمد تھا۔ اشبیلیہ میں ۶۲۵ھ (۱۲۲۷ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کا مشہور ترین علمی کارنامہ علم حدیث کی اٹھائیس اصطلاحوں کی تعبیر میں ایک پند آموز نظم "لامیہ غزلیہ" ہے جو بحر طویل کے بیس شعروں پر مشتمل ہے۔ ۶۹۹ھ (۱۳۰۰ء) میں وفات پائی۔

**٭ابن قیم:** محدث اور فقیہ۔ پورا نام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی تھا۔ حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ۶۹۱ھ (۱۰۹۸ء) میں دمشق میں پیدا ہوئے اور ۷۵۱ھ (۱۱۵۸ء) میں دمشق ہی میں وفات پائی۔ چونکہ ان کے والد دمشق کے مدرسہ الجوزیہ کے قیم یعنی مہتمم تھے، اس لئے ابتدا میں انہیں "ابن قیم الجوزیہ" کہا جاتا تھا۔ ۷۱۲ھ میں جب امام ابن تیمیہ مصر سے مراجعت کر کے دمشق آئے تو ابن قیم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۷۲۸ھ میں ان کی وفات تک ان کی خدمت میں رہے۔ چنانچہ ابن قیم پر صحیح معنوں میں ابن تیمیہ کا رنگ چڑھ گیا تھا اور وہ ان کے صحیح معنوں میں جانشین تھے۔

ابن قیم نے بہت سے کتب تصنیف کیں جن میں سے بیشتر ناپید ہو چکی ہیں۔ ابن حماد نے اپنی کتاب "شذرات الذہب" میں ان کی پینتالیس کتب کی فہرست دی ہے اور بعد میں "وغیرہ ذالک" بھی لکھا ہے۔ براکلمان نے اپنی کتاب "تاریخ ادبیات عربی" میں ان کی باون کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

**٭ابن کثیر:** مفسر، محدث اور مورخ۔ پورا نام اسماعیل بن عمر عماد الدین ابوالفداء ابن الخطیب القرشی تھا۔ یہ امام ابن تیمیہ کے شاگرد تھے۔ دمشق میں درس دیتے رہے۔ "تفسیر ابن کثیر" قرآن پاک کی ایک مشہور تفسیر انہی کی تصنیف ہے۔ اسی طرح "البدایہ والنہایہ" ان کی تاریخ کی مستند کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ ان کا حدیث کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ ۷۰۱ھ (۱۳۰۱ء) میں پیدا ہوئے اور ۷۷۴ھ (۱۳۷۳ء) میں وفات پائی۔

**٭ابن ماجہ:** محدث۔ پورا نام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ الربعی قزوینی تھا۔ صحاح ستہ میں سے "سنن ابن ماجہ" (⇐ ابن ماجہ، سنن) انہی کی تصنیف ہے۔ احادیث جمع کرنے کے لئے انہوں نے عراق، عرب، شام اور مصر کا سفر کیا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ انہوں نے قرآن کی تفسیر بھی لکھی تھی، لیکن اب یہ ناپید ہے۔ ۲۰۹ھ (۸۲۴ء) میں قزوین میں پیدا ہوئے اور ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں وفات پائی۔ ⇐ ابن ماجہ، سنن + حدیث + سنن۔

**٭ابن ماجہ، سنن:** احادیث کا ایک مشہور مجموعہ۔ امام ابن ماجہ کی اہم ترین کتاب "سنن ابن ماجہ" ہے۔ یہ امام صاحب کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے۔ موجودہ کتب حدیث میں یہ ایک بلند مقام کی حامل کتاب ہے۔ سنن ابن ماجہ میں جملہ ابواب فقہی ترتیب کے مطابق درج ہیں۔ یہ کتاب پندرہ سو ابواب اور چار ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں شامل ہے۔ علمائے فن یہ اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اسلامیات کی عظیم ترین اور حدیث کی امہات

کتب میں سے ہے۔ حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ "سنن" سے ابن ماجہ کی علمی تبحری اور کثرت معلومات کا علم ہوتا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی اسی اہمیت کی بنا پر اس کو ہر زمانے میں نہایت مستند اور قابل حجت خیال کیا گیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

- اس میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جن سے صحاح ستہ کی دوسری کتب خالی ہیں۔
- حسن ترتیب و تبویب کے لحاظ سے تمام کتب حدیث اور صحاح ستہ میں اس کو امتیاز حاصل ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "اس مفید ترین کتاب کی تبویب فقہی اعتبار سے نہایت عمدہ ہے۔"
- عدم تکرار اور اختصار کے باوجود سنن ابن ماجہ نہایت جامع کتاب ہے۔
- سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی روایات ہیں۔ اس خصوصیت میں اس کو صحیح بخاری کے سوا تمام کتب صحاح پر فوقیت حاصل ہے۔

**٭ ابن مسعود:** صحابی رسولؐ، مفسر اور مورخ۔ عبداللہ بن مسعود کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ ⇐ عبداللہ بن مسعود

**٭ ابن معین:** محدث اور فقیہ۔ پورا نام یحییٰ بن معین تھا۔ ۱۵۸ھ (۷۷۵ء) میں پیدا ہوئے اور ۲۳۳ھ (۸۴۸ء) میں وفات پائی۔ انبار کے قریب ناقیہ کے رہنے والے تھے۔ وراثت میں کوئی ڈیڑھ لاکھ درہم ملے تھے جو سب کے سب تحصیل حدیث میں صرف کر دیئے اور آخر میں پہننے کو جوتا بھی نہ رہا۔ ابن معین کا کہنا ہے کہ انہوں نے تقریباً چھ لاکھ احادیث لکھی ہیں۔ بخاری، مسلم اور داؤد جیسے محدثین ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ امام احمد بن حنبل ان کے ہم عصر دوستوں میں سے تھے۔

**٭ ابن ہشام:** "سیرت ابن ہشام" کے مصنف اور مورخ۔ پورا نام ابو محمد عبدالمالک بن ہشام بن ایوب حمیری تھا۔ فسطاط میں ۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں فوت ہوئے۔ انہوں نے ابن اسحاق کی سیرت کی کتاب کو نئے سرے سے لکھا۔ چنانچہ آج سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام ہی کے نام سے مشہور ہے۔

**٭ ابواسید:** صحابی رسول ﷺ۔ مالک بن ربیعہ انصاری ساعدی کے بیٹے تھے۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۶۰ھ میں اٹھتر سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ بدری صحابہ میں سب سے آخر میں انتقال ہوا۔ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ کثیر جماعت نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

**٭ ابوالعاص:** صحابی رسول۔ لقیط نام تھا، اور حضرت خدیجہ کے بھانجے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بہت بڑے اور دیانت دار تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت خدیجہ کی فرمائش پر نبی کریم ﷺ کی بیٹی زینب کا نکاح ان سے کر دیا گیا۔ ۱۰ھ میں حضرت علی کی سرکردگی میں یمن جانے والے سریہ میں یہ بھی شریک تھے۔ واپسی پر اس علاقے کے عامل بنائے گئے۔ ۱۳ھ میں انتقال ہوا۔ ⇐ خدیجہ + سریہ۔

**٭ ابوالقاسم:** نبی اکرم ﷺ کی کنیت۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے ایک بیٹے پیدا ہوئے تھے جن کا نام "قاسم" رکھا گیا۔ چنانچہ انہی کی نسبت سے نبی کریم ﷺ کی یہ کنیت مشہور ہوئی۔ ⇐ قاسم۔

**٭ ابوامامہ:** صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام صدی تھا۔ باہلی سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائے اسلام ہی میں دائرۂ ایمان میں داخل ہو گئے تھے۔ جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا۔ بعد میں شام کی سکونت اختیار کی۔ ۸۶ھ (۷۰۵ء) میں سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ احادیث کی تبلیغ میں سرگرم تھے لہٰذا بڑے بڑے صحابہ ان سے حدیث کا درس لینے کے لئے آتے تھے۔ ان سے دو سو پچاس احادیث مروی ہیں۔

**٭ ابوایمن:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کے اصل نام کے بارے میں معلوم نہیں۔ ابتدائی حالات سے اتنا پتا چلتا ہے کہ وہ حضرت عمرو بن جموع کے آزاد کردہ غلام تھے۔ غزوۂ احد میں شرکت کی اور اس میں شہید ہوئے۔

**٭ ابوایوب انصاری:** صحابی رسول ﷺ۔ پورا نام خالد بن زید بن کلیب النجاری تھا۔ ۴۰ عام الفیل یعنی ہجرت نبوی ﷺ سے ۳۱ برس پہلے پیدا ہوئے۔ والد کا نام زید اور والدہ کا نام ہند بنت

سعد تھا۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے درمیانی وقت میں اسلام قبول کیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر تک انہی کے ہاں قیام فرمایا۔ مواخات میں حضرت ابوایوب کا بھائی حضرت مصعب بن عمیر کو بنایا گیا۔ حضرت ابوایوب نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ حجۃ الوداع میں آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد بھی تمام جنگوں میں شرکت کرتے رہے۔ پھر امیر معاویہ کے زمانہ خلافت میں قسطنطنیہ کی مہم میں شرکت کی اور شہادت پائی۔ ان کی وصیت کے مطابق انہیں قسطنطنیہ کے شہرپناہ سے متصل دفن کیا گیا۔ انہوں نے تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔

حضرت ابوایوب انصاری قرآن پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے۔ آپؓ کی طرف ایک سو پچاس احادیث منسوب ہیں جن میں سے پانچ متفقہ علیہ ہیں۔

⇦ ہجرت مدینہ۔

**٭ ابوبصیر:** ⇦ عتبہ بن اسید۔

**٭ ابوبکر بن عبدالرحمان:** محدث اور فقیہ۔ محمد نام تھا اور ابوبکر کنیت تھی۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار سات مشہور فقہا میں ہوتا تھا۔ احادیث پر بہت عبور حاصل تھا۔

**٭ ابوبکر صدیقؓ:** صحابی رسول ﷺ اور خلیفہ اول، یار غار۔ حضرت عائشہ کے والد ماجد، آپ کا نام عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ تھا۔ کنیت، ابوبکر تھی اور لقب، عتیق اور صدیق تھا۔ حضرت ابوبکر کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ جب کہ والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھی۔ آپؓ قریش کی ایک معزز شاخ تیم سے تعلق رکھتے تھے۔

سن ہجری سے ۵۰ برس قبل ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے حضرت ابوبکر، نبی کریم ﷺ سے تین سال چھوٹے تھے۔ طبری نے حضرت ابوبکر کے دو اور بھائیوں مُعتق اور عتیق کا ذکر کیا ہے جب کہ ترمذی کے مطابق، عتیق ابوبکر ہی کا لقب تھا جس کا مطلب ہے، دوزخ سے آزاد ہونا۔ دوسرا لقب صدیق تھا جس کے معنی تصدیق کرنے والے کے ہیں۔ لقب صدیق کا محرک وہ واقعہ ہے جب آنحضور ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور سرداران قریش نے آپ ﷺ کے دعوائے نبوت کا ذکر کیا تو حضرت ابوبکر صدیق جو ابھی یمن سے واپس ہوئے تھے، یہ سن کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بلا جھجک پکار اٹھے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد اور لاشریک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (⇦ معراج) گویا حضرت ابوبکر صدیق کو مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی شام سعد بن ابی وقاص نے بھی اسلام قبول کیا۔ ایمان لانے کے بعد ابوبکر صدیق نے اپنی تمام صلاحیتیں (مالی اور جسمانی) دین حق کے لئے وقف کر دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق تجارت پیشہ آدمی تھے اور ان کا شمار مکہ کے متمول افراد میں ہوتا تھا۔ چونکہ سلیم الفطرت انسان تھے، اس لئے زمانہ جاہلیت میں بھی بااخلاق و باعصمت رہے۔ فقرا و مساکین کی وسعت گیری کی۔ کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔

اسلام لانے کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح ان پر بھی مصائب کا پہاڑ ٹوٹا تو نبی کریم ﷺ کی اجازت سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، لیکن ابھی مکہ سے یمن کی جانب تین روز کی مسافت ہی طے کی تھی کہ برک الغماد کے مقام پر قبیلہ قادہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ جب اسے حضرت ابوبکر کی ہجرت کا معلوم ہوا تو اس نے ابوبکر صدیق سے کہا کہ آپ جیسا شخص نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ابن الدغنہ آپؓ کو مکہ واپس لے آیا اور آپؓ مکہ میں رہنے لگے یہاں تک کہ ہجرت مدینہ کا وقت آگیا۔ ہجرت مدینہ کے کچھ عرصے بعد آپؓ کا باقی خاندان بھی ہجرت کر کے مدینہ آگیا، لیکن والد ابوقحافہ مکہ ہی میں رہے، کیونکہ انہوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ والد کے علاوہ ان کے بیٹے عبدالرحمان نے بھی اسلام قبول نہ کیا بلکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ بھی کی۔ وہ بھی

فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو مواخات میں حضرت خارجہ بن زید کا بھائی بنایا گیا جو بعد میں ان کے خسر بھی ہو گئے۔ (⇦ مواخات) انہیں مدینہ میں بنو حارث بن خزرج کے درمیان محلہ السنح مکان ملا۔

مدینہ میں سب سے پہلے مسجد حضرت ابوبکر صدیق کی دی ہوئی رقم (پانچ ہزار درہم) سے تعمیر ہوئی۔ (⇦ مسجد نبوی ﷺ) آپ کی یہ آخری پونجی تھی جو اسلام پر قربان کی گئی۔ صلح حدیبیہ (⇦ حدیبیہ، غزوہ، صلح) کے موقعے پر صلح نامے میں نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے پہلا نام حضرت ابوبکر صدیق کا تھا۔ رمضان المبارک ۸ ھ میں جب مکہ فتح ہوا اور آنحضور ﷺ قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تو ابوبکر بھی ان کے ساتھ سوار تھے۔ ۹ ھ میں نبی کریم ﷺ نے انہیں امیر حج مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے دوران آپ ﷺ کے حکم پر حضرت ابوبکر ہی کو مسجد نبوی میں امامت کا شرف حاصل ہوا۔

## خلیفہ اول

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر مسجد نبوی میں بیعت کی اور انہیں مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کیا۔ بیعت کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔

زمانہ خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے اسامہؓ کے اس لشکر کا معاملہ سامنے آیا، جس کا حکم نبی کریم ﷺ اپنی زندگی میں شام پر حملے کے لئے دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکر نے تمام تاویلات کو یکسر نامنظور کرتے ہوئے اس لشکر کی روانگی کا حکم دیا کہ یہ خدا کے رسول ﷺ کا حکم تھا، اس لئے اس پر عمل ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی عرب کے آس پاس قبائل میں ارتداد کی لہر بھی پھیل چکی تھی اور اکثر قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں یمن میں الاسود العنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اب اس کا جانشین قیس (بن ہبیرہ بن عبد یغوث) المکشوح موجود تھا۔ حضرت ابوبکر نے ان تمام فتنوں کی سرکوبی کے لئے اسلامی لشکر بھیجے۔

سب سے پہلے طلیحہ کو بزاختہ کی لڑائی میں شکست دی گئی اور اسے اسلام کا مطیع کیا گیا۔ پھر قبیلہ تمیم نے سر تسلیم خم کیا۔ ادہ کی اہم ترین جنگ یمامہ کی لڑائی تھی جو عقربا کے مقام پر لڑی گئی۔ طرفین کی کثرت اموات کی وجہ سے اس لڑائی کو "حدیقۃ الموت" کا نام دیا گیا۔ یہ ربیع الاول ۱۲ھ (مئی ۶۳۳ء) کی بات ہے۔ اس لڑائی میں جھوٹا مدعی نبوت مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی لڑائیاں ہیں جن کی تفصیل حضرت ابوبکر صدیق کی حیات پر کسی مفصل کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جمادی الثانیہ ۱۳ھ (اگست ۶۳۴ء) میں حضرت ابوبکر صدیق مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ اتوار کا دن تھا، چاند کی ۷ اور اگست کی ۸ تاریخ تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ حارث بن کلاہ اور ایک یہودی نے مل کر حضرت ابوبکر کو چاولوں میں زہر ملا کر دیا تھا جس کا اثر ایک سال میں آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ مرض کے دوران اپنے جانشین کے بارے میں آپؓ مختلف صحابہ سے گفتگو کرتے رہے اور بعد میں سب کے مشورے سے حضرت عمر کو دوسرا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ ملک و ملت کے کاموں سے فارغ ہو کر نجی معاملات کی طرف توجہ دی۔ اب تک بیت المال سے چھے ہزار درہم وظیفہ لیا تھا۔ وہ اپنی زمین فروخت کر کے بیت المال میں جمع کرایا اور ایک حبشی غلام، ایک اونٹنی اور ایک چادر حضرت عمر کو بھجوا دیں۔ یہ چیزیں دیکھ کر حضرت عمر کا جی بے اختیار بھر آیا اور فرمایا: اے ابوبکر! تم اپنے جانشینوں کے لئے بہت دشوار کام چھوڑ گئے ہو۔

پندرہ روز علیل رہ کر حضرت ابوبکر منگل کی رات کو ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ھ (۲۳/ اگست ۶۳۴ء) میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ اور حضرت عبد الرحمان بن ابوبکر نے لحد میں اتارا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی قبر نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے بائیں جانب اس طرح بنائی گئی کہ ان کا سر حضور ﷺ کے شانہ مبارک تک آتا تھا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۶۳ برس تھی جس میں ۲ برس ۳ ماہ اور ۱۱ دن (۱۱ھ بمطابق ۶۳۲ء تا ۱۳ھ بمطابق ۶۳۴ء) خلافت کی۔ ⇦ صدیق اکبر۔

**٭ ابوبکرہ:** صحابیِ رسول ﷺ۔ طائف میں ثقیف کے غلام تھے۔ نبی کریم ﷺ کے دورۂ طائف کے دوران میں ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے ہوئی تھی، اس لئے یہ خود کو "عتیق النبی" کہتے تھے۔ غلامی سے آزادی کے بعد طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد یمن اور پھر بصرہ میں قیام پذیر ہوئے۔ ۵۱ھ (۶۷۱ء) میں انتقال ہوا۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے بیٹوں اور پوتوں کی تعداد سو سے زیادہ ہوگئی تھی۔ تمام عمر دینی علوم خاص طور پر علم حدیث کی ترویج میں مشغول رہے۔ مسلم، ابوداؤد، بخاری جیسے حضرات نے حضرت ابوبکرہؓ کو معتبر اور ثقہ تسلیم کیا ہے۔

**٭ ابوجندل:** صحابی جو سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقعے پر سہیل ہی قریش کی طرف سے نبی کریم ﷺ کے پاس مصالحت کے لئے آئے تھے۔ جب شرائط لکھی جا رہی تھیں تو حضرت ابوجندل اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن معاہدے کی رو سے نبی کریم ﷺ نے مجبوراً انہیں قریش کے حوالے کر دیا تاہم جب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد عیص کے مقام پر جمع ہونے لگی تو حضرت ابوجندل بھی وہاں چلے گئے اور معاہدے کے خاتمے پر مدینہ آگئے تھے۔

**٭ ابوجہل:** نبی کریم ﷺ کا کافر چچا۔ اس کا نام ابوالحکم عمر بن ہشام بن المغیرہ تھا، لیکن اسلام دشمنی کی وجہ سے اس کا نام "ابوجہل" یعنی "جاہلوں کا باپ" پڑ گیا تھا۔

ابوجہل ۵۷۰ء میں پیدا ہوا۔ اس نے دو شادیاں کیں۔ ام مجالد سے حضرت عکرمہ پیدا ہوئے اور اردمی سے دو لڑکیاں جویریہ اور حنفا۔ یہ تینوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کی والدہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ ہجرت نبوی ﷺ سے چند سال پہلے وہ ولید بن مغیرہ کی جگہ بنو مخزوم اور اس کے حلیف قبائل کا سردار بن گیا تھا۔

ابوجہل اسلام دشمنی میں بہت مشہور تھا، یہاں تک کہ جب اس نے اور دیگر اہل قریش نے رسول اللہ ﷺ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھا تو حق کی بڑھتی ہوئی اس دعوت کو روکنے کے لئے آپس میں مشورہ کیا۔ ابوجہل نے کہا کہ ہر قبیلے میں سے ایک ایک دلیر اور طاقتور نوجوان کا انتخاب کرو، انہیں تلواریں دو اور نوجوانوں کی یہ جماعت مل کر اس (رسول اللہ ﷺ) کا کام تمام کر دے۔ چونکہ تمام جماعت اس کو مل کر قتل کرے گی، اس لئے اس کا قصاص کسی ایک قبیلے کے ذمے نہ رہے گا اور بنو عبد مناف کو یہ ہمت نہ ہوگی کہ سب سے لڑتے پھریں۔ اس سازش سے آنحضور ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر مطلع کر دیا اور آپ ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا دیا اور خود خدا کے حکم سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ ہجرت مدینہ کی رات تھی۔ (⇐ ہجرت مدینہ) اس طرح کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو ابوجہل کی اسلام دشمنی کی چلا چلا کر گواہی دے رہے ہیں۔ ان واقعات کی تفصیل سیرت نبوی ﷺ کی کسی مفصل کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ابوجہل جنگ بدر میں دو کم سن لڑکوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف کا بیان ہے کہ جنگ بدر میں میرے دائیں بائیں دو کم عمر انصار لڑکے کھڑے تھے۔ یہ دونوں معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفرا تھے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے میرا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ کیا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں۔ اتفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا نظر آیا تو میں نے ابوجہل کے بارے میں ان دونوں لڑکوں کو بتا دیا۔ چنانچہ یہ دونوں لڑکے اس کی طرف دوڑے۔ ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا۔ ایک لڑکے نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل پر۔ بعد میں عفرا (معاذ بن عفرا کے بھائی) نے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ پھر عبداللہ بن مسعود نے اس کے سر کو تن سے جدا کر دیا۔

⇐ عکرمہ بن ابی جہل + بدر، غزوہ۔

**٭ ابوحاتم بن حبان:** عالم اور محدث۔ پورا نام محمد تمیمی ابن حبان احمد ابن حبان تھا۔ وہ چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ فقہ اور حدیث کا علم ابوبکر بن محمد اسحاق سے حاصل کیا اور عراق، شام، حجاز، خراسان اور ترکستان کے سفر کئے۔ ابوحاتم کو نجوم اور طب پر بھی عبور حاصل تھا۔ تحصیل علم کے بعد تالیف و تصنیف میں مصروف ہوگئے اور کئی مستند ضخیم کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔

**٭ ابوحذیفہ:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کا نام ہشیم بن عتبہ تھا۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ابوحذیفہ حبشہ کی دونوں ہجرتوں اور ہجرت مدینہ میں شریک تھے۔ عہد نبوی ﷺ کے تمام اہم معرکوں میں شرکت کی۔ غزوۂ بدر میں تو اپنے کافرباپ کو بھی للکارتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں شریک ہوئے اور اسی جنگ میں ۵۴ برس کی عمر میں شہید ہوگئے۔

**٭ ابوحمید ساعدی:** صحابی رسول ﷺ۔ آپؓ کا نام عبدالرحمان ساعدی تھا۔ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد اسلام قبول کیا۔ مدینہ کے قبیلہ خزرج کی شاخ "ساعد" سے تعلق رکھتے تھے۔ احد کے علاوہ تمام ہی غزوات میں شرکت کی۔ امیر معاویہ کے زمانہ خلافت کے آخری دنوں میں وفات پائی۔ اکثر احادیث کی روایات ان سے منسوب ہیں۔ سنت رسول ﷺ کی پیروی کا وہ خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے جس طریقہ نماز کو اپنایا تو دیگر صحابہ نے بھی یہ طریقہ آپؓ ہی سے سیکھا۔

**٭ ابوحنیفہ، امام:** مشہور فقہی امام جن کے نام سے فقہ حنفی ہے۔ امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اصل نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے: نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان۔ اگرچہ نسب میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ امام صاحب کے والد ثابت ولادت کے وقت نصرانی تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ سے ثابت ہے کہ ان کے والد ثابت مذہب اسلام پر پیدا ہوئے تھے۔ اسی طرح ان کے دادا کے بارے میں بھی مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان کے دادا کا نام قبل از اسلام "زوطی" تھا اور قبول اسلام کے بعد ان کا نام "نعمان" رکھا گیا۔ جب کہ اسمٰعیل بن حماد کہتے ہیں کہ ان کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی سے گہرے مراسم تھے۔

امام ابوحنیفہ کے ظہور کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی بشارت ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ جمعہ کی آیت واخرین منھم لما یلحقوا بھم تلاوت فرمائی تو حاضرین نے پوچھا کہ یہ دوسرے کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر دست اقدس رکھ کر فرمایا:

لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال من ھولاء "اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کریں گے۔"

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے اولین مصداق صرف امام ابوحنیفہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ ابتدائی تعلیم و تربیت مکمل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ایک دن اسی سلسلے میں بازار جا رہے تھے کہ راستے میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا، علما کی مجلس میں نہیں بیٹھتے؟ کہا، نہیں! فرمایا، "تم علما کی مجلس میں بیٹھا کرو کیونکہ میں تمہارے چہرے پر علم و فضل کی درخشندگی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔"

امام شعبی سے ملاقات کے بعد امام ابوحنیفہ کے دل میں دینی علوم کو کامل طور پر حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ پہلے انہوں نے علم کلام میں کمال پیدا کیا پھر علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مشہور عالم حضرت حماد کے درس میں شمولیت اختیار کی اور بہت جلد نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ ایک دفعہ دوران درس حضرت حماد کو کہیں جانے کا اتفاق ہوا۔ ان کی غیر موجودگی میں امام ابوحنیفہ نے ساٹھ فتوے دیئے۔ بعد میں وہ مسائل انہوں نے حماد کے سامنے پیش کئے تو انہوں نے ان میں سے چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور باقی بیس مسائل سے اختلاف کیا۔ اس وقت امام ابوحنیفہ نے قسم کھائی کہ تاحیات حضرت حماد کی مجلس نہیں چھوڑیں گے۔ فقہ کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ نے علم حدیث کی تحصیل بھی جاری رکھی۔ صحابہ کرام اور تابعین میں سے جو حضرات فن حدیث کے امام تھے ان سب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

### عبادت، ریاضت، زہد و تقویٰ

امام ابوحنیفہ عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کی

عبادت وریاضت کا حال اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج کی عیش کوش اور تن آسان دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ امام ابوحنیفہ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ آپ کی شب بیداری کا سبب یہ تھا کہ ایک بار ایک شخص نے انہیں دیکھ کر کہا، یہ وہ شخص ہے جو عبادت میں پوری رات جاگتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ سنا تو فرمانے لگے، ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہئے۔ اس وقت سے امام صاحب نے رات کو جاگ کر عبادت کرنی شروع کر دی۔

زہد و تقویٰ میں امام ابوحنیفہ کا مقام بہت بلند ہے۔ جس چیز میں ادنیٰ سی بھی کراہیت کا پہلو ہوتا، اس سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔ زہد کا یہ عالم تھا کہ مال و دولت کی طرف قطعاً دھیان نہ کرتے تھے۔ بڑی بڑی رقمیں ان کی خدمت میں پیش کی جاتی تھیں تو شان استغنا سے رد کر دیا کرتے تھے۔

## تصنیف وتالیف

امام ابوحنیفہ کے زمانے میں تصنیف و تالیف کا اس قدر رواج نہ تھا۔ عام طور پر لوگ اپنے حافظے پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اساتذہ کے درس نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ کی تصانیف کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ تاہم امام ابوحنیفہ کی مندرجہ ذیل کتب شہرت اور تواتر سے ثابت ہیں:

○ کتاب العالم والمتعلم۔ ○ کتاب الفقہ الاکبر۔ ○ کتاب الوصایا۔
○ کتاب المقصود۔ ○ کتاب الاوسط۔ ○ کتاب الآثار۔

امام ابوحنیفہ کی عظمت کا آفتاب عرصہ دراز تک آسمان علم و فضل پر جگمگاتا رہا یہاں تک کہ آخر عمر میں خلیفہ ابوجعفر منصور نے اپنے دربار میں انہیں عہدۂ قضا کے لئے طلب کیا۔ اس پیشکش کو قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر شاہی عتاب نازل ہوا اور انہیں قید کر دیا گیا۔ مورخین کے مطابق امام صاحب کو روزانہ کوڑے لگائے جاتے تھے۔ اسی حالت میں ماہ رجب ۱۵۰ھ میں بحالت سجدہ ان کا انتقال ہو گیا۔

امام ابوحنیفہ علوم اسلامی کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد تھے۔ عقائد، علم کلام اور فقہ کے ساتھ ساتھ حدیث میں بھی مہارت حاصل تھی۔ امام شافعی اور امام مالک فقہ میں انہی کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ امام ابوحنیفہ کے ہی فیض یافتہ ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی حدیث پر مہارت کی اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث نبوی ﷺ کے موافق اور ہر حکم سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے۔ بعض اوقات ایک ہی مسودے میں متعدد متعارض احادیث ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ منشائے رسالت تلاش کر کے ان روایات میں باہم تطبیق کرتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت و ضعف اور دوسرے اصول روایت کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو منشائے وحی اور مزاج نبوی ﷺ سے واقف ہو، روایات کے تمام طرق پر مہارت رکھتا ہو۔ ہدایت کے کل اصولوں اور راویوں کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

## امام اعظم کی مرویات

امام اعظم ابوحنیفہ کو تابعیت کا شرف حاصل ہے اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات بھی کی تھی۔ اسی طرح بعض دیگر صحابہ سے بھی ملاقات ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ نے صحابہ کرام سے احادیث کی روایت بھی کی ہے۔ علماء، محدثین اور محققین نے امام ابوحنیفہ کی مرویات صحابہ کو پوری اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام ابومشعر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امام ابوحنیفہ کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔ حضرت ملا علی قاری، امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے "کتاب الآثار" کا انتخاب کیا ہے۔ بعد میں امام ابوحنیفہ کے ہر شیخ کی مرویات الگ الگ کتاب کی صورت میں جمع ہوئیں اور وہ "مسند ابی حنیفہ" کے نام سے مشہور ہوئیں۔

⇦ حدیث + اسماء الرجال

**٭ابوداؤد، امام:** مشہور محدث جن کی حدیث کی کتاب "سنن ابوداؤد" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ امام ابوداؤد کا نام سلیمان اور کنیت ابوداؤد تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے مطابق سلسلہ نسب یہ ہے: ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن عمرو بن عامر۔ امام داؤد ۲۰۲ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے، لیکن زندگی کا بڑا حصہ بغداد میں گزارا اور وہیں اپنی سنن کی تالیف کی۔ ۲۷۱ھ میں بغداد کو خیرباد کہا اور آخری چار سال بصرہ میں گزارے۔ بروز جمعہ ۲۷۵ھ میں وفات ہوئی اور بصرہ میں مدفون ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن میں مکمل کی۔ بعد ازاں علم حدیث کی طرف رغبت ہوئی اور اس سلسلے میں بلاد اسلامیہ خصوصاً مصر، شام، حجاز، عراق اور خراسان کا سفر کیا۔

امام بخاری اور امام مسلم کے بعد جو امام حدیث سب سے زیادہ مقام اور مرتبہ کے مالک ہیں، وہ امام ابوداؤد ہیں۔ جس زمانے میں ابوداؤد نے تصنیف وتالیف کا آغاز کیا اس وقت عام طور پر علم حدیث میں جوامع (جامع) اور مسانید (مسند) کی تالیف کی جاتی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے کتاب السنن لکھ کر علم حدیث میں ایک نئی راہ متعین کی اور بعد کے آئمہ نے ان سے استفادہ کیا۔ اگرچہ امام داؤد کی شہرت محدث کی حیثیت سے زیادہ ہے، لیکن فقہ و اجتہاد میں بھی ان کو بڑی بصیرت حاصل تھی اور حدیث کی طرح فقہ میں بھی ان کی نظر وسیع اور گہری تھی۔ وہ تفسیر کے بھی عالم تھے۔ اس موضوع پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ حدیث، فقہ و تفسیر کے علاوہ دوسرے علوم سے بھی ان کو پوری واقفیت تھی۔

## تصنیف وتالیف

امام صاحب کی جن تصنیفات کے نام معلوم ہوسکے، وہ یہ ہیں:
○ کتاب الرد علی اہل قدر۔ ○ کتاب الناسخ و المنسوخ۔ ○ کتاب المسائل۔ ○ مسند مالک۔ ○ کتاب المراسیل۔ ○ کتاب المصابیح۔ ○ کتاب المصاحف۔ ○ کتاب البعث و النشور۔ ○ کتاب نظم القرآن۔ ○ کتاب فضائل القران۔ ○ کتاب شریعہ التفسیر۔ ○ کتاب شریعہ المقاری۔ ○ سنن ابی داؤد۔

⇐ ابوداؤد، سنن + جامع + مسند + سنن۔

**٭ابوداؤد، سنن:** امام ابوداؤد کی ترتیب کردہ احادیث کا مجموعہ۔ "سنن ابوداؤد" حدیث کی کتب کی قسم "سنن" کے سلسلے میں پہلی کتاب ہے۔ امام ابوداؤد نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعے کو اپنے استاد امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کیا۔ امام صاحب نے اسے دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ یہ بات مستند ہے کہ صحیحین کو سنن اربعہ پر صحت کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہے، لیکن اس کے بعد کی ترتیب میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض علمانے نسائی شریف (+ نسائی، امام + نسائی، سنن) کو تیسرا درجہ دیا ہے اور بعض نے جامع ترمذی کو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے طبقات کتب حدیث کے لحاظ سے سنن ابوداؤد کو دوسرے طبقے میں شمار کیا ہے، لیکن صاحب مفتاح السعادہ نے لکھا ہے کہ سب سے اونچا درجہ بخاری شریف کا ہے، اس کے بعد صحیح مسلم کا اور پھر سنن ابوداؤد کا درجہ ہے اور یہی مناسب ہے۔ اس لحاظ سے سنن اربعہ میں سنن ابی داؤد کو صحت کے لحاظ سے تقدیم حاصل ہے جیسا کہ علامہ نووی اور شاہ ولی اللہ نے ترتیب قائم کی ہے۔ بخاری، مسلم، سنن ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور پھر ابن ماجہ کا درجہ ہے۔

## خصوصیات

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں احادیث کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ بہت سی خصوصیات کا حامل ہے مثلاً:

● امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں یہ التزام کیا کہ اس میں صرف احکام سے متعلق احادیث لائی جائیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کے اثبات میں روایات جمع نہیں کیں۔ میری اس کتاب میں چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب احکام سے متعلق ہیں۔

● اس کتاب میں امام صاحب نے اپنے علم کے مطابق صحیح ترین روایات بیان کی ہیں اور شاذ وغریب روایات بہت کم درج کی ہیں اور ان کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

● اگر کوئی حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہے اور ان میں سے ایک

طریقے کا راوی اسناد میں مقدم ہو اور دوسرے طریقے کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو تو امام داؤد ایسی صورت میں پہلے طریقے کا ذکر کرتے ہیں۔

● بعض اوقات ایک حدیث بہت طویل ہوتی ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ قارئین اس کی غرض کو نہ سمجھ سکیں گے۔ ایسی صورت میں امام صاحب حدیث میں اختصار کر دیتے ہیں۔

● جن احادیث کے اسانید میں کوئی ضعف ہو یا کوئی خفیہ علت ہو تو اس کو امام صاحب بیان کر دیتے ہیں اور جن احادیث کی اسانید کے بارے میں امام صاحب کوئی کلام نہیں کرتے وہ عموماً صالح للعمل ہوتی ہیں۔

● ایک حدیث اگر متعدد اسانید سے مروی ہو تو بعض اوقات امام داؤد وہ تمام اسانید ایک جگہ ذکر فرما دیتے ہیں۔

● کسی حدیث میں اگر مرفوع یا موقوف کا اختلاف ہو تو اس کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

● امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں تکرار سے حتی الامکان گریز کیا ہے۔ اگر کسی حدیث کو کہیں دوبارہ ذکر کرتے ہیں تو اس میں اسناد یا متن حدیث میں کوئی مزید فائدہ پیش نظر ہوتا ہے۔

● بعض اوقات راوی کے اسما، کنیت اور القاب کی بھی وضاحت کر دیتے ہیں۔

**✽ ابوداؤد طیاسی:** محدث۔ اصل نام سلیمان داؤد ابن الجارد بصری تھا۔ ۱۳۳ھ (۷۵۰ء) میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں وفات پائی۔ ایرانی تھے، لیکن کوفہ میں آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی طرف منسوب مسند، ان کی مرتب کردہ نہیں ہے بلکہ خراسانیوں میں سے کسی نے وہ احادیث جمع کی تھیں جو امام موصوف سے یوسف بن حبیب نے بیان کیں۔ تاہم اس مجموعے کے علاوہ امام طیاسی سے اور بھی روایات منسوب ہیں۔ امام موصوف کی یہ "مسند" کتب احادیث کے تیسرے طبقے میں شمار ہوتی ہے۔ یہ تیسرا طبقہ ان جوامع اور مصنفات کا ہے جو امام بخاری اور امام مسلم کے زمانے سے قبل یا بعد میں تصنیف ہوئیں اور یہ صحیح، حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، خطا و صواب اور ثابت و مقلوب ہر نوع کی احادیث پر مشتمل ہیں۔

**✽ ابودجانہ:** صحابی رسول ﷺ۔ سماک نام تھا اور قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ سعد بن عبادہ کے چچازاد بھائی تھے۔ ہجرت سے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے لہٰذا اس کے بعد ہر غزوہ میں شرکت کی۔ غزوۂ احد میں نبی کریم ﷺ نے اپنی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، کون ہے جو یہ شمشیر لے اور اس کا حق ادا کرے۔ چنانچہ یہ تلوار حضرت ابودجانہ کے سپرد ہوئی۔ اسی جنگ میں جب نبی کریم ﷺ دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی اور جو تیر نبی کریم ﷺ کی طرف آتا وہ حضرت ابودجانہ کے جسم کا ہدف بنتا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ خلافت میں خالد بن ولید کی قیادت میں جو لشکر مسیلمہ کذاب سے نبرد آزما ہوا اس میں یہ شریک تھے۔ جب مسیلمہ کذاب اپنے باغ میں بند ہو گیا تو حضرت ابودجانہ کو فصیل سے اوپر پھینکا گیا۔ انہوں نے اندر کود کر دروازہ کھول دیا۔ مسلمان فوج باغ کے اندر گھس گئی۔ مسیلمہ کذاب مارا گیا اور اسلامی لشکر کو فتح ہوئی۔

⇦ مسیلمہ کذاب+بدر، غزوہ+احد، غزوہ۔

**✽ ابودردا:** صحابی رسول ﷺ۔ ان کا نام عویمر بن زید بن قیس تھا۔ قبیلہ خزرج کے خاندان بلحارث سے تعلق تھا۔ غزوۂ بدر کے فوراً بعد اسلام قبول کیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابودردا غزوۂ احد میں شریک تھے۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان کو میدان جنگ میں دیکھا تو فرمایا کہ "عویمر کیا ہی اچھا سوار ہے!" جب آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات (⇦ مواخات) قائم کی تو حضرت ابودردا کو حضرت سلمان فارسی کا بھائی بنایا۔ حضرت ابودردا سے مختلف احادیث بھی مروی ہیں جو "ذخائر المواریث" میں درج ہیں۔

**✽ ابوذر غفاری:** صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام جندب بن جنادہ تھا۔ اسلام لانے سے پہلے بھی ایک اللہ کے ماننے والے تھے۔ مکہ آکر اسلام قبول کیا۔ غزوۂ خندق تک اپنے قبیلہ غفار میں رہے۔ اس کے بعد مدینہ چلے آئے۔ پھر غزوۂ تبوک کے سوا کسی اور جنگ میں

حصہ نہیں لیا۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں آپ شام چلے گئے۔ یہاں آپ نے امرا کے طرز زندگی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے انہیں مدینہ واپس بلا لیا۔ مدینہ ہی میں ذوالقعدہ ۳۲ھ (۶۵۳ء) میں انتقال ہوا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ ایک صوفی منش صحابی تھے۔ دولت کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے حتیٰ کہ ایک دن کا مال جمع کرنا ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔ حضرت ابوذر غفاری سے ۲۸۱ احادیث روایت کی جاتی ہیں۔

**٭ ابوذؤیب:** نبی کریم ﷺ کو دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ کے والد کا نام۔ ان کا تعلق قبیلہ بنی سعد سے تھا۔ ⇦ حلیمہ سعدیہ + بچپن محمد ﷺ۔

**٭ ابورافع:** صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام اسلم تھا۔ حضرت عباس کے غلام تھے۔ بعد میں انہیں نبی کریم ﷺ کو عطا کر دیا گا۔ نبی کریم ﷺ کا خیمہ یہی نصب کیا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد حضرت ابورافع مدینہ چلے آئے اور احد سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت علی کے زمانہ خلافت کے اوائل میں وفات پائی۔ حضرت ابورافع سے ۶۸ حدیثیں مروی ہیں۔

**٭ ابوزہرا تماری:** صحابی رسول ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر اسلام قبول کیا اور صحبت سے مشرف ہوئے۔ شامی تھے۔ ان سے خالد بن معدان اور ربیعہ بن یزید نے روایت کیا ہے۔

**٭ ابوسفیان:** صحابی رسول ﷺ اور نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی۔ پورا نام ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھا۔ ویسے اصل نام "مغیرہ" تھا۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ قریش کے اکثر قافلوں کی قیادت یہ خود ہی کیا کرتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ابوسفیان نے غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف میں شرکت کی۔ طائف میں "لات" کا بت توڑنے میں بھی شریک رہے۔ روایت کے مطابق ۸۸ برس کی عمر میں ۳۲ھ (۶۵۳ء) میں وفات پائی۔ حضرت ابوسفیان کا ایک بیٹا یزید تھا جس کی وفات ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں ہوئی۔ مشہور خلیفہ حضرت امیر معاویہ بھی حضرت ابوسفیان کے بیٹے تھے۔

⇦ فتح مکہ + مکہ + معاویہ بن ابی سفیان۔

**٭ ابوسلمہ:** صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا۔ ان کی والدہ حضرت برہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں یعنی یہ نبی کریم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ہجرت حبشہ سے پہلے اپنی اہلیہ ام سلمہ کے ساتھ مسلمان ہوئے اور حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں۔ واپس آکر مدینہ میں سکونت اختیار کی۔ غزوۂ بدر اور احد میں شرکت کی۔ غزوۂ احد میں بازو پر ایسا زخم آیا کہ جس کی وجہ سے ۳ جمادی الثانیہ ۴ھ کو فات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ ام سلمہ نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

⇦ ازواج مطہرات + ام سلمہ + بدر، غزوہ۔

**٭ ابوطالب:** نبی کریم ﷺ کے چچا۔ ان کا نام عبد مناف بن عبدالمطلب ہاشمی قریشی تھا۔ ۸۵ قبل از ہجرت (۵۴۰ء) پیدا ہوئے۔ اپنے باپ اور نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ساتھ خانہ کعبہ کی تولیت کا حق ادا کرتے رہے۔ دادا کے انتقال کے بعد نبی کریم ﷺ اپنے انہی چچا کے زیر کفالت آگئے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی۔ حضرت خدیجہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے نکاح کی بات چیت ابوطالب ہی نے طے کی اور ان دونوں کے نکاح کا خطبہ بھی ابوطالب ہی نے دیا۔

نبی کریم ﷺ نے کئی بار اپنے چچا کو اسلام کی دعوت دی، لیکن ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا۔ تاہم آپ ﷺ کی بھرپور مدد کی جس کی وجہ سے کفار کھل کر نبی کریم ﷺ سے دشمنی نہ کر سکے البتہ ابوطالب کے انتقال کے بعد کفار نے کھل کر نبی کریم ﷺ کو تکلیفیں دینی شروع کر دیں۔ ابوطالب کا انتقال ۳ قبل ہجرت (۶۲۰ء) میں ہوا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک ۴۹ برس اور ۸ ماہ تھی۔ ابوطالب نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں جن سے طالب، ام ہانی، عقیل، جعفر، جمانہ، علی، اور ام طالب پیدا ہوئیں۔

ابوطالب کے ایمان لانے یا نہ لانے کے بارے میں کسی قدر اختلاف ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ مرتے وقت ابوطالب نے آہستہ زبان

سے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ کچھ کے مطابق انہوں نے کلمہ پڑھا ہی نہیں، اس لئے انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا لیکن سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی مدد کی تھی۔ بہرنوع یہ ایک نازک معاملہ ہے۔

⇐ آباواجداد نبوی ﷺ + عبدالمطلب + عام الحزن + خدیجہ، ام المؤمنین + علی بن ابی طالب۔

**٭ ابو طلحہ:** صحابی رسول ﷺ۔ انصاری تھے۔ زید نام تھا۔ خاندان نجار کی شاخ عمرو بن مالک سے تعلق رکھتے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا۔ حدیث میں مہمان نواز کی حیثیت سے ان کی فضیلت ہے، کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے کہنے پر ایک مہمان کو کھانا کھلایا اور وہ خود اور ان کے بیوی بچے بھوکے رہے۔ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد شام چلے گئے۔ ستر برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

**٭ ابو عبس بن جبیر:** صحابی رسول ﷺ۔ نام عبدالرحمان بن جبیر تھا۔ خاندان حارثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا۔ غزوۂ بدر کے وقت ۴۸ برس کے تھے۔ بڑھاپے میں ایک آنکھ کی بینائی کھوگئی تھی جس پر نبی کریم ﷺ نے اپنا عصا مرحمت فرمایا۔ اسی عصا کے سہارے چلا پھرا کرتے تھے۔ ۳۴ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان کا شمار ممتاز صحابہ حدیث میں ہوتا ہے۔

**٭ ابوعبیدہ:** صحابی رسول ﷺ۔ پورا نام عامر بن عبداللہ بن جراح تھا۔ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوگئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو "امین الامت" کا لقب دیا تھا۔ مدینہ آکر حضرت کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام کیا۔ چونکہ سپہ سالار اسلام تھے، اس لئے تقریباً تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف سرایا کا سپہ سالار بھی ان کو بنایا۔ صلح حدیبیہ میں بطور گواہ کے دستخط کئے۔ خلافت کے سوال پر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے ساتھ ان کا نام بھی پیش کیا۔

حضرت ابوبکر نے ایران اور شام کے محاذ میں انہی کو سپہ سالار بنایا۔ حضرت عمر نے حضرت خالد بن ولید کی جگہ شام کا سپہ سالار اعظم بھی انہی کو مقرر کیا۔

حضرت ابوعبیدہ نے ۱۷ھ میں حمص پر عیسائیوں کے حملے کا مقابلہ کیا۔ یہ ان کا آخری معرکہ تھا۔ ۱۸ھ میں طاعون کی وبا شام میں پھیلی تو اس مرض کی لپیٹ میں آگئے اور ۵۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

⇐ سریہ۔

**٭ ابوفکیہہ:** ایک صحابی جو صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ یہ حضرت بلال حبشی کے ساتھ اسلام لائے۔

⇐ صفوان بن امیہ + بلال حبشی۔

**٭ ابو قبیس:** ایک پہاڑی کا نام جو مکہ مکرمہ میں مسجد حرام سے چند سو میٹر کے فاصلے سے شروع ہوتی ہے۔ حجر اسود اس پہاڑی کی سمت نصب ہے۔ کوہ صفا بھی اس کے دامن میں واقع ہے۔ یہ پہاڑی اچانک اس طرح شروع ہوتی ہے کہ اس سے ساری مسجد حرام نظر آتی ہے۔

**٭ ابوقتادہ:** صحابی رسول ﷺ۔ اصل نام حارث بن ربعی انصاری تھا۔ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد اسلام لائے۔ بہترین تیر انداز اور شہسوار تھے۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنا مال غنیمت بیچ کر اپنے لئے ایک باغ خریدا۔ مدینہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ ہی میں ۵۴ھ (۶۷۴ء) میں انتقال کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ان سے ڈیڑھ سو احادیث روایت کی جاتی ہیں۔

**٭ ابوقیس حرمہ:** صحابی رسول ﷺ جن کی روزہ داری پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم طلوع فجر تک کھانا کھا سکتے ہو۔ قبیلہ بنو نجار میں سے تھے اور شروع ہی سے بت پرستی کے مخالف تھے۔ انہوں نے قبول اسلام سے قبل اپنے لئے ایک ایسی عبادت گاہ بنوائی تھی جس میں کسی مرد یا عورت کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ہجرت کے بعد جب نبی کریم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور اسلام لے آئے۔

**ابوکرش:** عبیدہ (سعید بن العاص کا بیٹا) کا لقب۔ یہ شخص غزوۂ بدر کے موقعے پر سر سے پاؤں تک لوہے کے خود میں ایسا لپٹا ہوا تھا کہ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اس غزوے میں حضرت زبیر اس کے مقابلے کو نکلے اور تاک کر اس کی آنکھوں میں برچھا مارا اور وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ یہ برچھا عبیدہ کے اس طرح پیوست ہو گیا کہ حضرت زبیر نے اس کی لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچا اور برچھا نکالا، لیکن برچھے کے دونوں سرے خم ہو گئے۔ یہ برچھا نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر سے مانگ لیا۔ پھر چاروں خلفا سے منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس آیا۔

**ابولبابہ بن عبدالمنذر:** صحابی رسول ﷺ۔ یہ وہ صحابی ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقعے پر اپنی غیر موجودگی میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ جب کہ مدینہ کی بالائی آبادی (عالیہ) پر عاصم بن عدی کو حاکم مقرر کیا۔

**ابولہب:** نبی کریم ﷺ کا چچا، اسلام کا سخت دشمن۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور کنیت ابوعتبہ تھی۔ چونکہ یہ خوب سرخ و سفید تھا، اسی لئے اسے "ابولہب" یعنی "شعلے والے" یا "شعلے کا باپ" کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ قرآن پاک کے تیسویں پارے میں سورۂ لہب اسی کے نام سے منسوب ہے۔

اگرچہ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے نبی کریم ﷺ سے اس کے تعلقات خوشگوار تھے کہ آپ ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور ام کلثوم کا نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا، لیکن اعلان نبوت کے بعد ابولہب نبی کریم ﷺ کا سخت دشمن بن گیا۔ چنانچہ عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی اور عتیبہ کو شیر نے پھاڑ کھایا۔

غزوۂ بدر کے بعد ابولہب مرض چیچک میں اس طرح مبتلا ہوا کہ اس کا سارا جسم داغ دار تھا۔ اس کے نزدیک کوئی نہ جاتا تھا۔ اسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا اور مرنے پر بھی کوٹھڑی اس پر گرا دی گئی۔ اس کی بیوی بھی اسلام کی سخت دشمن تھی۔ چنانچہ اس کی موت بھی بری طرح واقع ہوئی۔ سورۂ لہب میں ان دونوں میاں بیوی کا ذکر ہے۔

**ابومسعود بن بدری:** صحابی رسول ﷺ۔ نام عتبہ تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعے پر مسلمان ہوئے۔ تمام غزوات میں شرکت کی اور بدر میں کچھ عرصہ رہنے کی وجہ سے بدری مشہور ہو گئے۔ جنگ صفین میں حضرت علی نے انہیں کوفہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس عہدے کے خاتمے کے بعد مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت ابومسعود کی ایک لڑکی کی شادی حضرت حسینؓ سے ہوئی جن سے زید پیدا ہوئے۔

**ابومنصور عجلی:** مدعی امامت۔ ابتدا میں حضرت امام جعفر صادقؒ کا معتقد اور اہل غلو میں سے تھا۔ جب امام ہمامؒ نے اسے مارقانہ عقائد کی بنا پر اپنے ہاں سے خارج کر دیا تو اس نے دعوائے امامت کی ٹھان لی۔ چنانچہ اخراج کے چند روز بعد کہنا شروع کیا کہ میں محمد باقر کا خلیفہ و جانشین ہوں، ان کا درجہ امامت میری طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یہ شخص اپنے تئیں خالق بے چوں کا ہم شکل بتاتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ امام باقرؒ کی رحلت کے بعد آسمان پر بلایا گیا اور معبود برحق نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ بیٹا! لوگوں کے پاس میرا پیغام پہنچا دے۔

ابومنصور اس امر کا بھی قائل تھا کہ نبوت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ذات گرامی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ رسول اور نبی قیامت تک مبعوث ہوتے رہیں گے۔ ابومنصور کی یہ بھی تعلیم تھی کہ جو کوئی امام تک پہنچ جاتا ہے اس سے تمام تکلفات شرعیہ اٹھ جاتے ہیں اور اس کے لئے شریعت کی پابندی لازم نہیں رہتی۔ اس کا کہنا تھا کہ جبریل امین علیہ السلام نے پیغام رسانی میں خطا کی۔ بھیجا تو انہیں حضرت علیؓ کے پاس تھا لیکن وہ غلطی سے محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیغام الٰہی پہنچا گئے۔ (غنیۃ الطالبین) اس فرقے کے کسی شاعر نے کہا ہے:

جبریل کہ آمد زبر خالق بے چوں
در پیش محمد شد و مقصود علی بود

وہ کہا کرتا تھا کہ قیامت اور جنت و دوزخ کچھ بھی نہیں، یہ محض ملانوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ جب یوسف بن عمر ثقفی کو جو خلیفہ ہشام بن

عبدالملک کی طرف سے عراق کا والی تھا ابو منصور کی تعلیمات کفریہ کا علم ہوا اور دیکھا کہ اس کی وجہ سے ہزارہا بندگان خدا تباہ ہو رہے ہیں تو اس کو گرفتار کر کے کوفہ میں سولی چڑھا دیا۔

**٭ ابوہریرہ:** مشہور صحابی جن کو "سلطان الحدیث" بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اصل نام عبدالشمس تھا، لیکن قبول اسلام کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کا نام عمیر رکھا۔ چونکہ بلیوں سے بہت محبت تھی، اس لئے ہریرہ (بلی) سے "ابوہریرہ" کنیت پڑ گئی۔ غزوۂ خیبر کے موقعے پر اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بحرین کے گورنر بھی رہے۔ حضرت عثمان کے عہد میں گوشہ نشین ہوگئے۔ ۷۸ برس کی عمر میں ۵۷ھ (۶۷۶ء) میں انتقال کیا۔ ولید نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت ابوہریرہ کو نبی کریم ﷺ کے اقوال و احادیث از بر تھے، اس لئے نبی کریم ﷺ ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ (ابوہریرہ) علم کا ظرف ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۷۴ احادیثیں مروی ہیں۔

**٭ ابویوسف، امام:** فقیہ و مورخ۔ نام یعقوب بن ابراہیم انصاری تھا۔ ۱۱۳ھ (۷۳۱ء) میں پیدا ہوئے۔ امام ابوحنیفہ کے خاص شاگردوں میں تھے، لیکن کئی مقامات پر ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ بچپن انتہائی کسمپرسی میں گزرا۔ کئی کتب لکھیں۔ ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ (۲۷ اپریل ۷۹۸ء) میں انتقال کیا۔

**٭ الابوا:** ایک مقام۔ نبی کریم ﷺ کی والدۂ ماجدہ کا مزار اس جگہ واقع ہے۔ ابوا کا صدر مقام فرع ہے۔ صفر ۲ھ میں "ابوا" ہی کے مقام پر غزوۂ ابوا واقع ہوا۔ ⇐ ابوا، غزوہ + آمنہ۔

**٭ ابوا، غزوہ:** اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا غزوہ۔ صحیح بخاری میں اس کو "اول الغزوات" قرار دیا گیا ہے۔ اسے "غزوہ ودان" بھی کہتے ہیں۔ تفصیل کے مطابق صفر ۲ھ میں نبی کریم ﷺ ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ مدینے سے نکلے تاکہ قریش کی شامی تجارت کو بند کیا جا سکے۔ مسلمانوں کی یہ جماعت مدینہ سے ۸۰ میل جنوب مغرب میں واقع مقام ابوا تک پہنچ گئی۔ ابوا کا صدر مقام فرع ہے جہاں قبیلہ مزینہ آباد ہے۔ اسی جگہ نبی کریم ﷺ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار بھی ہے۔ اس علاقے کے اطراف میں قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا۔ یہاں نبی کریم ﷺ نے چند روز قیام کیا اور بنو ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری سے معاہدہ کیا۔ لیکن مسلمان قریش کے تجارتی قافلے کو نہ پا سکے۔ اس غزوہ کے دوران مدینہ میں نبی کریم ﷺ کی نیابت کے فرائض حضرت سعد بن عبادہ نے سرانجام دئے۔ ⇐ آمنہ۔

**٭ ابی بن معاذ:** صحابی رسول ﷺ۔ انصاری تھے۔ پورا نام ابی بن معاذ بن انس بن قیس تھا۔ ان کی والدہ ام اناس بنت خالد بن خلیس بن لوذان انصار کے قبیلہ ساعدہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت ابی بن معاذ اور ان کے بھائی انس بن معاذ نے غزوۂ احد میں شرکت کی۔ صفر ۴ھ میں قراء صحابہ کی جماعت میں شریک ہو کر نجد جا رہے تھے کہ بیئر معونہ کے مقام پر مشرکین کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔

## اج

**٭ اجازۃ:** علم حدیث کی ایک اصطلاح جس کے معنی ہیں "اپنے علم حدیث کو آگے پہنچانے کی اجازت دینا۔" اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اجازہ یا اجازت حاصل کرنے والا، اجازت دینے والے کا نام بھی سند کے طور پر پیش کرے۔ رفتہ رفتہ اجازت کی روایت اس قدر عام ہوئی کہ لوگ علما کو سرراہ پکڑ کر اجازت حاصل کرنے لگے۔ چنانچہ اکثر علما نے یہ وصیتیں کیں کہ ان کی بیان کردہ احادیث کو روایت کرنے کی اجازت تمام مسلمانوں کو حاصل ہے۔

## اح

**٭ احد، پہاڑ:** احد پہاڑ یا جبل احد، وہ مقام جہاں پر ۳ھ میں مشہور غزوۂ احد پیش آیا۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ شمال کی جانب تین

چار میل ہے۔ یہ مشرق سے مغرب کی طرف ۴ میل لمبا ہے۔ احد پہاڑ کی انتہائی شمالی چوٹی "جبل ثور" کہلاتی ہے۔ پہاڑ کے دامن میں وادی قناہ ہے۔ اس پہاڑ سے صرف ایک دشوار گزار پگڈنڈی گزرتی ہے جو نعل کی شکل کی وادی سے ہو کر اس کی بلند چوٹیوں تک چلی گئی ہے۔ اس وادی میں ایک چھوٹا سا پہاڑی ٹیلہ ہے جسے غالباً چشموں کی وجہ سے "جبل عینین" کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہیں تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تھا۔ ☜ احد، غزوہ۔

**٭ احد، غزوہ:** عہد اسلامی کا دوسرا بڑا غزوہ ہے۔ یہ غزوہ سن ۳ھ میں پیش آیا۔ غزوۂ بدر میں جو ٹھیس کفار قریش کو پہنچی تھی وہ ابھی اسے بھولے نہ تھے کہ اسی اثنا میں انہیں سریہ قردہ میں ہزاروں درہم اور کئی گنا مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ غزوۂ بدر میں ابو جہل کی ہلاکت کے بعد ابوسفیان ہی قریش کا سرکردہ رہنما تھا اور یہ اس کی دوبارہ شکست تھی۔ چنانچہ ابوسفیان نے قریش مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کرنے کی تیاریاں زور و شور سے شروع کر دیں۔ یہ تیاریاں غزوۂ احد پر منتج ہوئیں جس کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی کہ جب قریش غزوۂ بدر میں شکست کھا کر مکہ واپس پہنچے تھے۔ اس وقت سے ان کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور اس آگ کو سرد کرنے کی خاطر وہ ہر ممکن اقدام کے لئے دیوانے ہو رہے تھے۔ ابن ہشام اور ابن سعد کا بیان ہے کہ قریش، میدان بدر سے مکہ لوٹے تو جس تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے وہ نکلے تھے اور ابو جہل کی فتنہ انگیزی کے باعث غزوۂ بدر پیش آیا تھا اس کے افراد "دارالندوہ" میں ٹھہرے تھے۔ چنانچہ چند اکابر نے ابوسفیان سے کہا کہ محمد ﷺ نے تم سے اچھے آدمیوں کا قلع قمع کر دیا ہے، اس لئے مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ ابوسفیان نے اپنی طرف سے اور خاندان عبد مناف کی طرف سے اسے منظور کر لیا۔ قافلے میں ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال لوٹا گیا تھا۔ اصل سرمایہ مالکوں کو لوٹا دیا گیا۔ منافع رکھ لیا گیا۔ مندرجہ ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ ہے: "جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ اپنا مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں تو یہ لوگ آئندہ بھی اسی طرح کریں گے۔ پھر وقت آئے گا (کہ یہ مال خرچ کرنا) ان کے لئے پچھتاوا ہو جائے گا۔ آخر کار وہ مغلوب ہو جائیں گے۔" (انفال: ۳۶)

صفوان بن امیہ جنگ کی تیاری میں پیش پیش تھا۔ ابوعزہ شاعر، غزوۂ بدر کے قیدیوں میں شامل تھا۔ اس کے پاس فدیئے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے التجا کی کہ میں کثیر العیال اور ضرورت مند ہوں، اس وقت مجھ پر احسان فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر احسان کر کے رہا کر دیا۔ وہ قریش کی نئی تیاریوں میں شرکت کے لئے تیار نہ تھا، لیکن صفوان بن امیہ نے لالچ دے کر ساتھ ملایا۔ اس نے اور مسافع بن عبد مناف نے بنو کنانہ کو قریش کی معیت پر آمادہ کرنے کے لئے انتہائی سرگرمی سے کام کیا۔ جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام وحشی نامی تھا جسے حبشیوں کے طریقے پر حربہ پھینکنے میں بدرجہ کمال مہارت تھی۔ جبیر نے اس سے کہا کہ اگر تو محمد ﷺ کے چچا حمزہ کو قتل کر دے گا تو میرے چچا طعیمہ بن عدی کا بدلہ پورا ہو جائے گا اور تو میری طرف سے آزاد ہو گا۔ ہند بنت عتبہ نے بھی وحشی کو خوش کرنے کا وعدہ کر لیا تھا بشرطیکہ وہ حضرت حمزہ کو قتل کر دے۔ چنانچہ ہند میدان جنگ میں وحشی کے پاس سے گزرتی تو کہتی، ابودسمہ (وحشی کی کنیت) میرا کلیجا ٹھنڈا کر اور اپنا بھی۔ یعنی میرے بدلے کا بھی انتظام کر دے اور خود بھی غلامی سے آزاد ہو جا۔ ابوعامر راہب بھی جس کے لئے فاسق کا موزوں لقب اس زمانے میں عام ہو گیا تھا، اس لڑائی میں قریش کا ساتھی تھا اور جنگ کے لئے ساتھ آیا تھا۔ مجوزہ میدان جنگ میں جا بجا گڑھے کھدوائے گئے اور غالباً کھجور کی پتلی پتلی شاخیں رکھ کر مٹی ڈلوا دی گئی تاکہ کسی کو پتا نہ چل سکے۔ ایسے ہی ایک گڑھے میں رسول اللہ ﷺ اتفاقیہ گر گئے تھے۔ قریش کی تیاریوں کے متعلق تمام خبریں حضرت عباس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی رہیں جو اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی میں وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار تھے۔

قریش مکہ کی فوج تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی جس میں اہل تہامہ اور بنو کنانہ بھی شامل تھے۔ ان میں سات سو زرہ پوش تھے، دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں ساتھ تھیں۔ علامہ شبلی

نے لکھا ہے کہ لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھیں۔ جس لڑائی میں خواتین ہوتیں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوئی تو عورت بے حرمت ہوگی۔

قریش کے ساتھ جو عورتیں آئی تھیں وہ نہایت معزز گھرانوں کی تھیں۔ نیز ان کے دل مقتول اقربا کے جوشِ انتقام سے لبریز تھے۔ مثلاً ہند قریش مکہ کے سالار اعظم ابوسفیان کی بیوی تھی، جس کا باپ عتبہ بدر میں مارا گیا تھا۔ ام حکیم بنت حارث (ابوجہل کی بھتیجی اور عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی) جو ابوجہل کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ فاطمہ بنت ولید (خالد بن ولید کی بہن اور حارث بن ہشام برادر ابوجہل کی بیوی) جو اپنے باپ ولید کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ برزہ بنت مسعود ثقفی (صفوان بن امیہ کی بیوی) امیہ کے انتقام کی غرض سے آئی تھی۔ ریطہ بنت منبہ بن الحجاج (عمرو بن العاص کی بیوی) اپنے باپ کے انتقام کے لئے آئی تھی۔ خناس (مصعب بن عمیر کی مشرکہ ماں) اپنے مشرک فرزند ابوعزیز کے ساتھ آئی تھی۔

قریش کا لشکر ذوالحلیفہ میں اترا تو رسول اللہ ﷺ نے فضالہ کے بیٹوں انس اور مونس کو بھیجا کہ ضروری معلومات حاصل کر کے لائیں۔ وہ دونوں واپس ہوئے تو بتایا کہ قریش نے اپنے اونٹ اور گھوڑے العریض میں چھوڑ دیئے تھے۔ جب وہاں سے روانہ ہوئے تو گھاس بالکل ختم ہو چکی تھی۔ پھر حباب بن منذر کو بھیجا گیا۔ وہ قریش کے لشکر میں داخل ہو کر صحیح تعداد کا اندازہ کر لائے۔ قریش اس جگہ ٹھہر گئے تھے جو مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں بیئر رومہ اور غابہ کے درمیان تھی۔ یہاں انہیں پانی حسب ضرورت مل سکتا تھا۔ جانور چرانے کی بھی سہولت تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے شہر میں پہرے کا مکمل انتظام کرا دیا۔ سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ مسلح ہو کر خود رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر پہرہ دینے لگے۔ اس انتظام و انصرام کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ کو مشورے کے لئے بلایا۔ مہاجرین اور انصار میں سے اکابر کی رائے یہ تھی کہ عورتوں اور بچوں کو گڑھیوں (آطام) میں بھیج دیا جائے اور خود شہر میں مورچے بنا کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی رائے مبارک بھی یہی تھی، لیکن نوجوانوں کی بڑی تعداد نے شہر سے باہر نکل کر مقابلے پر زور دیا۔ ان کے جوش اور گرم خون کا تقاضا بھی یہی تھا۔ آخر کثرت رائے سے اسی کے حق میں فیصلہ ہوا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ جمعہ کا دن تھا۔ حضور ﷺ نے نماز پڑھائی، جہاد پر وعظ فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ جب تک صبر کرو گے، مدد ہوگی۔ پھر آپ ﷺ مکان میں تشریف لے گئے، زرہ پہنی، جنگ کا سامان لیا۔ لوگ صفیں باندھے آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ اسی اثنا میں سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے نوجوانوں سے کہا کہ باہر نکل کر مقابلے پر اصرار کرنا مناسب نہ تھا۔ بہتر ہے کہ اب بھی معاملہ حضور ﷺ کے سپرد کر دیا جائے۔ خود نوجوانوں کو بھی اپنے اصرار پر پشیمانی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ مسلح ہو کر برآمد ہوئے تو باہر نکل کر مقابلے پر اصرار کرنے والے تمام لوگوں نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم اپنی رائے سے دست بردار ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کو جو مناسب معلوم ہو، وہی کریں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، پیغمبر کے لئے زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتارے جب تک کہ اللہ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ جب تک معاملہ مشورے کی منزل میں تھا، رائے بدلی جا سکتی تھی۔ جب فیصلہ ہو چکا تو اب رائے بدلنا اور معاملے کو از سر نو معرضِ گفتگو میں ڈالنا مناسب نہیں، اس لئے کہ یہ طریقہ ہمت و جرات کے راستے میں بے اعتمادی اور خوف کا باعث ہو سکتا تھا۔

مدینہ منورہ کے مشرق، مغرب اور جنوب میں کھجور کے گھنے باغ تھے۔ ان میں سے گزرتے ہوئے کسی بستی یا محلے پر حملہ کرنا آسان نہ تھا، کیونکہ باغوں میں سے دشمن کا صرف ایک ایک آدمی بمشکل آگے بڑھ سکتا تھا۔ اس صورت میں حملہ آور بہ آسانی مارے جاتے۔ صرف شمالی جانب سے حملہ ہو سکتا تھا۔ اسی لئے قریش نے شمالی و مغربی جانب پڑاؤ ڈالا تھا۔ پھر پوری آبادی ایک مقام پر نہ تھی بلکہ پہاڑوں کے درمیان وسیع میدان میں بکھری ہوئی بستیاں یا محلے آباد تھے۔ بعض قبیلوں نے اپنی زمینوں اور باغوں کے پاس آبادی کا انتظام کر لیا تھا اور دو دو منزلہ کئی گڑھیاں بنا لی تھیں۔ وہ ہر خطرے کے

وقت بچوں اور عورتوں کو گڑھیوں کی بالائی منزلوں پر پہنچا دیتے اور خود فارغ البال ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے۔

مدینہ منورہ سے رسول اللہ ﷺ عصر کے وقت نکلے۔ آپ ﷺ نے تین نیزے طلب فرمائے اور تین جھنڈے بنائے۔ ایک حباب بن منذر کو عطا ہوا، دوسرا اسید بن حضیر کو اور تیسرا علی بن ابی طالب کو عنایت فرمایا۔ حضور ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے، کمان کندھے پر ڈالی، نیزہ ہاتھ میں لیا۔ مسلمانوں کی کل تعداد اس وقت ایک ہزار تھی جن میں عبداللہ بن ابی کے تین سو آدمی بھی شامل تھے۔ لشکر میں صرف ایک سو آدمی زرہ پوش تھے۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ مرکب مبارک کے آگے آگے دوڑ رہے تھے۔ باقی لشکر دائیں بائیں اور پیچھے تھا۔ حضور ﷺ نے مشرقی جانب کے حرے کے دامن کا راستہ اختیار فرمایا جدھر بنی الاشہل کی بستی تھی۔ جب آپ ﷺ مقام شوط میں پہنچے جو مدینہ کے شمال میں تھا تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو سواروں کو لے کر الگ ہو گیا۔ عذر یہ پیش کیا کہ میری رائے کے مطابق مدینے کے اندر رہ کر مقابلہ نہیں کیا گیا۔ طبقات ابن سعد کا بیان ہے کہ عبداللہ بن ابی (⇐ عبداللہ بن ابی) اور اس کے لشکر کی علیحدگی کے بعد اسلامی لشکر کے افراد صرف سات سو رہ گئے تھے۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ طبقات ابن سعد ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ شیخین (مدینہ کے شمال مشرق میں ایک مقام) میں شب باش ہوئے۔ محمد بن مسلمہ کو پچاس آدمیوں کے ساتھ پہرہ داری پر مامور فرمایا گیا۔ یہ اصحاب رات بھر لشکر کے گرد گشت کرتے رہے۔ رات کے پچھلے پہر میں ابوخثیمہ حارثی کو رہبر بنایا اور احد کی جانب روانہ ہوئے۔ القنطرہ پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا اور نماز پڑھائی۔ پھر جبل احد کے پاس اس مقام پر پہنچ گئے جسے بظاہر پہلے سے فوج کی ترتیب کے لئے تجویز فرما رکھا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک گھاٹی میں اترے۔ یہ مقام وادی قنات سے پہاڑ کی جانب اونچائی میں واقع ہے جہاں سے یہ خلا یا جھکاؤ شروع ہوتا ہے وہاں سے جبل احد کے ساتھ ساتھ وادی قنات گزرتی ہے جس میں بارش کے ساتھ خاصا پانی بہنے لگتا ہے۔ بارش نہ ہو تو یہ عام طور پر خشک ہوتی ہے۔ قنات کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ خلا کی زمین قنات سے اونچی ہے۔ اس کے عین سامنے وادی کے جنوبی کنارے پر ایک چھوٹا سا ٹیلا ہے جسے "جبل عینین" کہتے ہیں یعنی دو چشموں والا ٹیلا۔ اس ٹیلے سے دو چشمے نکلتے ہیں۔ غزوۂ احد کے بعد اسے جبل الرماہ بھی کہا جانے لگا یعنی وہ ٹیلا جس پر تیر اندازوں کا مورچہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے احد کے اسی جھکاؤ کو صف بندی کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ پشت پر پہاڑ تھا۔ سامنے جبل عینین پر پچاس تیر انداز مقرر فرما دیئے جن کی سالاری عبداللہ بن جبیر کو سونپی اور تاکید فرمادی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست، تیر انداز کسی بھی حالت میں جگہ نہ چھوڑیں اور وہ ٹیلے پر بدستور جمے رہیں اور مقررہ مورچے سے ادھر ادھر نہ ہوں۔

قریش کی صف آرائی کے متعلق جو تفصیلات روایت میں ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رسالہ دو سو گھوڑوں پر مشتمل تھا۔ ایک سو گھوڑے لشکر کے میمنہ پر تھے، اور ایک سو میسرہ پر۔ میمنہ پر خالد بن ولید مامور ہوئے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ میسرہ، عکرمہ بن ابی جہل کے حوالے کر دیا گیا۔ ایک سو تیر اندازوں کی کمان عبداللہ بن ربیعہ کو سونپی گئی۔ قلب کی فوج آگے آگے بڑھی اور اس کے پیچھے عورتیں دف بجا بجا کر اور رجز گا گا کر مردوں کو جوش دلاتی رہیں۔ رجز کے اشعار یہ تھے:

نحن بنات طارق

"ہم آسمانوں کے تاروں کی بیٹیاں ہیں"

نمشی علی النمارق

"ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں"

ان تقبلوا الغانق

"اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی"

ان تدبر و انفارق

"پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے"

فراق غیر وامق

"جدائی ایسی ہوگی جو نفرت کرنے والی ہوتی ہے"

قریش نے علم طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا جو عبدالدار کے خاندان سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا تو اسلامی علم مصعب بن عمیر کے حوالے کر دیا۔ وہ بھی عبدالدار کے خاندان سے تھے۔ جنگ کی ابتدا ابوعامر فاسق سے ہوئی۔ وہ قبیلہ اوس سے تھا۔ اسے یہ خیال ہو گیا تھا کہ میرے ہم قوم مجھے دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اس کے ساتھ متفرق آدمیوں کا ایک گروہ تھا۔ انصار نے اسے دیکھتے ہی کہا، او فاسق! خدا تجھے بینائی سے محروم کر دے۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے پتھر بھی پھینکے۔ پھر وہ یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ میرے دور ہو جانے سے میری قوم کے خیالات بگڑ گئے ہیں۔

ابوسفیان نے طلحہ بن ابی طلحہ سے کہا کہ بدر میں بھی ہمارا جھنڈا عبدالدار ہی کے پاس تھا۔ وہاں ہم پر جو مصیبت آئی اس کا ذکر غیر ضروری ہے۔ لوگ جھنڈا دیکھ کر میدان جنگ میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ جھنڈا جگہ سے ہٹ جائے تو سب کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ اے بنو عبدالدار! یا تو اطمینان دلاؤ کہ جھنڈے کو بہر حال بلند رکھو گے یا اسے چھوڑ دو تاکہ ہم خود اسے سنبھال لیں۔ بنو عبدالدار نے جھنڈے کی حفاظت کے متعلق پورا اطمینان دلا دیا اور اس فرض کی بجا آوری میں خاندان کے بیشتر افراد کٹوا دیئے۔

مسلمان تیر اندازوں نے قبیلہ ہوازن کا رخ پھیر دیا تو طلحہ بن ابی طلحہ (علم دار قریش) نے جوش کے عالم میں کہا کہ کوئی ہے جو مجھ سے جنگ کرے۔ علی ابن ابی طالب آگے بڑھے اور ایسی ضرب لگائی کہ طلحہ کی کھوپڑی پھٹ گئی اور وہ گر گیا۔ اس کے بعد جھنڈے کی حفاظت میں بنو عبدالدار کو شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ طلحہ کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ کو حضرت حمزہ نے اور ابوسعید بن ابی طلحہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا۔ طلحہ کے تین بیٹے مسافع، کلاب اور جلاس یکے بعد دیگرے مارے گئے۔ پھر خاندان عبدالدار میں سے ارطاہ بن عبد شرجیل اور قاسط بن شریح نیز اس خاندان کا ایک غلام صواب موت کے گھاٹ اترے۔ گویا اس خاندان نے جھنڈے کی حفاظت میں باری باری ۹ جانیں دیں۔ قریش ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور انہیں میدان جنگ سے نکال دیا۔ ساتھ ہی مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ عین اس موقعے پر جبل عینین کے تیر اندازوں نے مورچہ چھوڑ دیا۔ اسی غلطی نے دشمن کو ایک ایسی تدبیر پر عمل کرنے کا موقع دے دیا جس سے مسلمانوں کی یقینی فتح شدید جانی نقصان میں بدل گئی۔ خالد بن ولید (جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) فوراً اپنا رسالہ لے کر جبل احد کی شمالی جانب سے ہوتے ہوئے مشرقی سمت آ گئے اور جبل حنین اور احد کے درمیان سے ان مسلمانوں پر حملہ کر دیا جن کا رخ بھاگنے والے قریش کے تعاقب میں مغربی جانب تھا۔ اور وہ مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے۔ عکرمہ بن ابی جہل بھی خالد بن ولید کے ساتھ ہو گیا۔ خالد کا حملہ اس قدر اچانک تھا گویا یکایک ایک بجلی مسلمانوں کے خرمن تنظیم و ترتیب پر آ گری اور ان کی شاندار فتح شدید نقصان میں بدل گئی۔ جن چالیس تیر اندازوں نے مورچہ چھوڑنے کی غلطی کی تھی، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا انجام کیا ہوا، لیکن جن دس نیک بختوں نے عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں مورچہ نہیں چھوڑا تھا وہ شہادت پا گئے۔ جب تک جبل عینین کا مورچہ قائم تھا، مسلمان جس طرف بڑھتے تھے اس طرف دشمن کی لاشوں کی صفیں بچھاتے چلے جاتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کے مورچہ چھوڑنے اور خالد بن ولید کے حملے نے صورت حال بالکل تبدیل کر ڈالی۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، ارطاہ بن عبد شرجیل کو قتل کر کے سباع بن عبدالعزیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ عین اسی وقت وحشی نے حملے سے پیدا شدہ افراتفری دیکھ کر جبل عینین کے پاس سے حضرت حمزہ کی طرف حربہ پھینکا جو ان کی ناف سے اوپر ان کے پیٹ میں گھسا اور ٹانگوں کے بیچ سے نکل گیا۔ وہ لڑکھڑائے، گرے اور شہید ہو گئے۔

مصعب بن عمیر اسلامی فوج کے علم دار تھے۔ ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ سے تھام لیا۔ بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو علم کو دونوں ہاتھوں سے سینے سے لگا کر تھام لیا۔ اسی حالت میں عمرو بن قمیہ نے انہیں شہید کر دیا۔ مصعب بن عمیر چونکہ شکل و شباہت میں رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھے، اس لئے اس نے دعویٰ کیا کہ وہ محمد ﷺ کو

قتل کر آیا ہے۔

خالد بن ولید کے حملے نے مسلمانوں میں جو ابتری پیدا کی اس کی وجہ سے مسلمان تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ان میں ایک چھوٹا سا گروہ میدان سے بھاگ گیا۔ ان میں سے بعض مدینہ پہنچے اور بعض اس سے بھی آگے مشرقی جانب نکل گئے۔ روایتوں میں دو مقامات کا ذکر آیا ہے: اول منقا، دوم جلعب۔ یہ دونوں مقامات کے قریب بتائے جاتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے میدان تو نہ چھوڑا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی جھوٹی خبر ان پر بجلی بن کر گری اور تعطل کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ تیسرا گروہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے گرد اسی طرح جاں نثاری اور فدا کاری سے سرگرم عمل تھا جس طرح پروانے شمع پر جان قربان کرتے وقت گرد و پیش کے حالات سے بالکل بے پروا ہوتے ہیں۔ اس گروہ میں حضرت ابوبکر، حضرت علی، سعد بن ابی وقاص اور مہاجرین و انصار میں سے دیگر لوگ شامل تھے۔ خود سرکار دو عالم ﷺ کی ذات بابرکت بھی چشم ہائے زخم سے محفوظ نہ رہی۔ سعد بن ابی وقاص کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضور ﷺ کا نیچے کا داہنہ دانت شہید کر دیا اور اسی کی ضرب سے لب مبارک پر بھی زخم آیا۔ عبداللہ بن شہاب نے پیشانی مبارک کو زخمی کیا۔ عمرو بن قمیہ نے ایک پتھر اس زور سے مارا کہ خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ ابوعامر فاسق نے جو گڑھے خفیہ طور پر کھدوائے تھے اور مسلمانوں کو ان کا پتا نہیں لگ سکا تھا، ان میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ گر گئے۔ حضرت علی نے آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور طلحہ بن عبیداللہ نے سہارا دے کر کھڑا کیا۔ ابوعبیدہ بن جراح نے دانتوں سے خود کی کڑیاں یکے بعد دیگرے کھینچ نکالیں۔ اس عمل میں ان کے آگے کے دو دانت نکل گئے۔ ابوسعید خدری کے والد مالک بن سنان نے چہرۂ مبارک سے خون چوس کر نکالا۔

شہدائے احد کی تعداد عموماً ۷۰ بتائی جاتی ہے۔ المشاہد میں جو تعداد بیان کی گئی ہے وہ ۱۰۸ ہے۔ ان میں ۵ مہاجرین، ۵۴ خزرج کے انصار، ۱۶ اوس کے انصار اور ۱۳ متفرق صحابہ کرام شامل تھے۔ متفق علیہ تعداد ۴۷ ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ﷺ میں ۷۰ افراد کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ ← حمراالاسد، غزوہ۔ ہند بن ابی ہالہ + ابوسفیان + بدر، غزوہ + حمزہ بن ابی طالب + خالد بن ولید + وحشی بن حرب۔

***احزاب، غزوہ:** غزوۂ خندق کا دوسرا نام۔ غزوۂ خندق کے حوالے سے قرآن پاک میں "احزاب" کے نام سے سورہ موجود ہے۔ ← خندق، غزوہ۔

***احمد ﷺ:** حضرت محمد ﷺ کا ایک مبارک نام۔ یہ نام عہد نامہ عتیق کے "فارقلیط" کے ہم معنی قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں "خدا کی زیادہ سے زیادہ تعریف کرنے والا۔" احمد کا لفظ عربی میں زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا۔ اسم علم کی حیثیت سے اس لفظ کا استعمال ۱۲۵ھ (۷۴۰ء) سے شروع ہوا۔ نبی کریم ﷺ کی محبت میں آج دنیا بھر کے مسلمان "احمد" کو اپنے نام کا حصہ بناتے ہیں۔

← آباو اجداد نبوی + محمد۔

***احمد بن حنبل، امام:** مشہور فقہی امام اور محدث۔ علم حدیث میں ان کا بڑا فیضان ہے۔ امام احمد بن حنبل کا پورا نام امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد اللہ ذہلی شیبانی المروزی ہے۔ ان کا تعلق خاندان شیبان سے تھا۔ ربیع الاول ۱۶۴ھ (دسمبر ۷۸۰ء) میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بغداد ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد فن حدیث کی طرف توجہ کی اور پندرہ برس کی عمر میں احادیث کا سماع کرنے کے لئے ۱۷۹ھ میں بغداد کے مشہور شیخ ہشیم کی خدمت میں چلے گئے۔ اسی سال عبداللہ بن مبارک بغداد آئے۔ امام حنبل کو ان کی آمد کا علم ہوا تو ان کی مجلس میں پہنچے، لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابن مبارک طرطوس جا چکے ہیں۔ ہشیم کی وفات کے بعد امام احمد نے بغداد اور دوسرے شہروں کا سفر اختیار کیا۔ بغداد علوم کا مرکز و منبع تھا۔ وہاں علوم دین کے علاوہ لغت، ریاضی، فلسفہ، تصوف، غرض ہر علم و فن کی مجالس موجود تھیں۔ امام احمد بن حنبل نے دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ساتھ زبان و لغت پر بھی کامل عبور حاصل کیا۔ علوم شریعت میں اجتہاد اور استنباط احکام میں کمال حاصل کیا۔ فن حدیث میں تکمیل

عبور حاصل کیا اور منصب امامت پر فائز ہوئے۔

امام احمد بن حنبل تحصیل علم حدیث کے لئے سب سے پہلے بغداد میں مشغول رہے۔ کم و بیش سات برس تک بغداد کے جید علما فضلا، محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ اس دوران امام احمد بغداد سے باہر تحصیل علم کے لئے نہیں گئے۔ امام احمد کا معمول تھا کہ کسی ایک محدث کا انتخاب کر کے ان سے کسب فیض کرتے یہاں تک کہ اس محدث کا تمام علم حاصل کر لیتے۔ پھر دوسرے محدث کی تلاش کرتے۔ چنانچہ وہ ہشیم بن بشیر کی خدمت میں متواتر چار سال رہے۔ سماعت حدیث کے ساتھ اگر راوی ثقہ ہوتا تو امام صاحب اس سے روایت حدیث بھی کرتے تھے خصوصاً ان اساتذہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے جو فن روایت اور جمع حدیث میں شہرت رکھتے تھے۔

علم حدیث کی تحصیل کے لئے امام احمد نے بغداد کے علاوہ متعدد علاقوں کا سفر کیا۔ بصرہ، حجاز، یمن، کوفہ الغرض جہاں سے بھی ممکن ہو سکا، اس علم کو حاصل کیا۔

امام احمد حنبل کی قوت حافظہ کا کمال اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے چار سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔ ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ مشائخ میں ان سے بڑا کوئی حافظ حدیث نہیں تھا۔ ان کو لاکھوں احادیث یاد تھیں۔ امام احمد بن حنبل کی ثقاہت پر تمام آئمہ فن کا اتفاق ہے۔

امام احمد بن حنبل کو احادیث کی صحیح اور غلط روایت میں امتیاز پر پورا عبور حاصل تھا۔ ابوحاتم فرماتے ہیں کہ امام احمد کو صحیح اور سقیم روایات کی معرفت میں بڑا کمال اور خاص امتیاز حاصل تھا۔

چالیس سال کی عمر میں درس و تدریس کی سند پر رونق افروز ہوئے۔ ان کی مجلس درس بڑی باوقار، سنجیدہ اور شائستہ ہوتی تھی۔ درس میں حاضرین کا جم غفیر ہوتا تھا۔ علمائے سیر کا بیان ہے کہ پانچ پانچ ہزار کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت و عقیدت سے بھی ان کا دل معمور تھا۔ قید خانے میں انہیں تین بال دیئے گئے اور بتایا گیا کہ یہ موئے مبارک ہیں۔ انہوں نے یہ بال سنبھال کر رکھے اور انتقال کے وقت وصیت کی کہ ان کو میری قبر میں میری آنکھوں پر رکھ دیا جائے۔

امام احمد بن حنبل کی آمدنی کا اصل ذریعہ صرف ایک آبائی جائداد تھی جس سے کل سترہ درہم ماہوار کرایہ ملتا تھا۔ اسی میں تنگی کے ساتھ گزارا کرتے اور اللہ کا شکر بجالاتے تھے۔ اتنی حقیر آمدنی اہل و عیال کے خرچ کے لئے بالکل ناکافی تھی، اس لئے اکثر گھر میں فاقہ رہتا تھا، مگر اس فاقے کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے اور نہ کسی کا تحفہ قبول فرماتے تھے۔ ان کے احباب ان کی مدد کرنا چاہتے تھے، مگر انکار کر دیتے تھے اور ہمیشہ یہی فرماتے کہ الحمدللہ ہم لوگ آرام و عافیت سے ہیں حال آنکہ گھر میں ایک جبہ بھی نہیں تھا۔ محنت مزدوری کر لینا پسند تھا، مگر کسی کے سامنے دست طلب دراز کرنا گوارہ نہ تھا۔ بعض اوقات کمر بند (ازار بند) بنا کر فروخت کرتے اور اخراجات پورے کرتے تھے۔

۲۱۲ھ میں فتنہ خلق قرآن کو فروغ حاصل ہوا۔ معتزلہ کی کوششوں سے عباسی خلیفہ مامون رشید نے خلق قرآن کے عقیدے کی ترویج شروع کی اور تمام علما، فضلا، محدثین سے اس عقیدے کی تائید و حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جن علما نے اس عقیدے کو قبول کر لیا انہیں انعامات سے نوازا گیا اور جو علما اس عقیدے کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ انہی مظلوم علما میں امام احمد بن حنبل بھی شامل تھے۔ خلیفہ نے انہیں دربار میں طلب کیا اور طویل مناظرہ کیا اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ یہی فرماتے رہے کہ "قرآن اللہ کا کلام ہے، میں اس کو مخلوق نہیں کہہ سکتا" خلیفہ نے اس جواب پر امام صاحب کو ۸۰ کوڑے لگوائے اور ایک طویل عرصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ لیکن امام احمد بن حنبل آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔

فتنہ خلق قرآن کے بعد امام صاحب ۲۱ سال تک زندہ رہے اور اللہ کی مخلوق کو فیض پہنچاتے رہے۔ کوڑے کھانے سے جو اذیت انہیں پہنچی تھی وہ آخر عمر تک باقی رہی، لیکن پھر بھی عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں مصروف رہے۔ آخر کار ۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ بروز چہار شنبہ شدید بخار میں مبتلا ہوئے اور اسی علالت میں ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ (جولائی ۸۵۵ء) میں ۷۷ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

احمد بن حنبل سے مندرجہ ذیل تصانیف منسوب ہیں، لیکن ان میں سے چند کے علاوہ سب ناپید ہیں:
○ کتاب الصلوٰۃ ○ کتاب السنہ ○ کتاب الاعتقاد ○ کتاب الزہد ○ مسند احمد بن حنبل ○ کتاب الفرائض ○ کتاب العلل ○ کتاب التفسیر ○ کتاب الایمان ○ کتاب الفضائل ○ کتاب التاریخ۔

امام صاحب کی سب سے مشہور اور حدیث کی ایک اہم کتاب "مسند احمد بن حنبل" ہے۔ اگرچہ اس سے قبل بھی اس طرز پر احادیث جمع کی گئیں، لیکن جو شہرت مسند احمد بن حنبل کو حاصل ہوئی ایسی شہرت کسی اور مسند کو نہ مل سکی۔

⇦ احمد بن حنبل، مسند۔

**٭ احمد بن حنبل، مسند:** حدیث رسول ﷺ ایک مجموعہ جو کتب حدیث کی قسم "مسند" سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مجموعے کو امام احمد بن حنبل نے مرتب کیا تھا۔ مسند احمد بن حنبل تقریباً ۲۷ا اجزا پر مشتمل ہے اور ۷۰۰ صحابہ کی احادیث کا مجموعہ ہے جن کی تعداد چالیس ہزار ہے۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مسند کی اصل روایات تو تیس ہزار ہیں، باقی دس ہزار مکرر ہیں۔

محدثین کے نزدیک مسانید کا درجہ سنن سے کمتر ہے، لیکن مسند احمد کی حیثیت عام مسانید سے مختلف ہے۔ شاہ ولی اللہ نے دوسرے درجے کی کتب میں اس کو شامل کیا ہے۔ مسند احمد بن حنبل کا شمار ان اہم اور آئمہ کتب میں ہوتا ہے جن پر ملت اسلامیہ کا ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور جن سے محدثین نے ہر زمانے میں استفادہ کیا ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ مسند احمد اس اُمت کی اساس اور بنیادی کتابوں میں ہے۔

صحت وجودت کے لحاظ سے بھی مسند کی اہمیت کم نہیں ہے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ مسند کے زوائد صحیحین، ترمذی اور ابوداؤد کے زوائد کے مقابلے میں کم ضعیف ہیں۔ اس کی ہر روایت مقبول اور ضعیف روایات بھی حسن سے قریب ہیں۔

مسند احمد کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

● مسند احمد بن حنبل حدیث کا سب سے ضخیم مجموعہ ہے۔
● احادیث کی دوسری کتب میں جو روایات متفرق طور پر پائی جاتی ہیں ان کا اکثر حصہ اس میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے یہ حدیث کی سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔
● مسند کا ترتیبی حسن، خبر اور روایت کا تناسب اور بہتر انتخاب بھی اس کی ایک خصوصیت ہے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حسن بیان اور سیاق کے لحاظ سے کوئی کتاب اس کے برابر نہیں۔

مسند احمد بن حنبل میں تین سو ثلاثی احادیث ہیں۔

⇦ احمد بن حنبل، امام + مسند۔

**٭ احمد علی سہارنپوری:** محدث۔ شیخ وجیہ الدین، مولانا عبدالحیٔ اور شاہ عبدالقادر دہلوی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ ۱۲۶۵ھ میں "مطبع احمدی" کے نام سے دہلی میں ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تباہ ہوگیا۔ پھر یہ کلکتہ چلے آئے جہاں دس سال تک مسجد حافظ جمال دین میں علم دین کی تدریس کی۔ ۱۲۸۳ھ میں مظاہر اسلام، سہارنپور میں دورۂ حدیث پڑھانا شروع کیا۔ ان کے بعد مولانا قاسم نانوتوی اور دیگر علمانے آپ کے علمی تجربے اور تقویٰ کے باعث دارالعلوم دیوبند کی بنیاد آپ ہی سے رکھوائی۔ احمد علی سہارنپوری نے صحیح بخاری، ترمذی اور مشکوٰۃ شریف پر حواشی بھی تحریر کئے۔

**٭ احناف:** وہ افراد جو اسلام کی دعوت حق سے پہلے ہی بت پرستی سے منہ پھیر چکے تھے۔ اگرچہ ان لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے دعوت اسلام نہیں دی تھی اس کے باوجود احناف کو رواجی بت پرستی سے نفرت ہوچکی تھی۔ یہ لوگ خود کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے، لیکن اس اجمالی اعتراف کے سوا توحید کے بارے میں اور کچھ نہ جانتے تھے۔ گویا تلاش حق میں تھے۔

⇦ ابراہیمؑ + حنیفی۔

**٭ احنف بن قیس:** صحابی رسول ﷺ۔ نام ابوبحر صخر بن قیس تھا اور بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ تین قبل ہجری (۶۱۹ء) میں پیدا

ہوئے۔ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے تھے۔ پیدائشی اپاہج تھے، اسی لئے "احنف" کہلائے۔ انہوں نے ہی بنو تمیم کو اسلام کی طرف راغب کیا۔ ۲۳ھ اور ۲۹ھ میں قم، کاشان اور اصفہان کی فتح میں حصہ لیا۔ ہرات، مرو اور بلخ بھی انہی کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ جنگ جمل میں احنف بن قیس غیر جانب دار رہے تاہم جنگ صفین میں انہوں نے حضرت علی کا ساتھ دیا۔

# اخ

*** اخرم بن ابی العوجا:** صحابی رسول ﷺ۔ ایک بار نبی کریم ﷺ نے حضرت اخرم کو پچاس مجاہدین کے ہمراہ دعوت اسلام کے لئے بنو سلیم کی طرف بھیجا۔ یہ جماعت جب وہاں پہنچی اور بنو سلیم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ لوگ نہ مانے بلکہ مسلمانوں کی اس جماعت پر تیراندازی شروع کردی۔ نتیجے میں حضرت اخرم بن ابی العوجا اور دیگر صحابہ شہید ہوگئے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت اخرم شہید نہیں ہوئے تھے، زخمی ہوئے تھے اور بعد میں صحت یاب ہوگئے تھے۔ (واللہ اعلم)

*** اخبار آحاد:** وہ احادیث جو تواتر کے درجے تک نہیں پہنچ سکیں۔ ان احادیث کو "اخبار آحاد" کہتے ہیں۔

متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو روایت کرنے والے اشخاص اس قدر زیادہ ہوں کہ عقل انسانی ان کے کذب پر متفق ہونے کو محال سمجھتی ہو۔ متواتر کی دو قسمیں ہیں:

**متواتر لفظی:** ایسی احادیث بہت کم ہیں مثلاً من كذب علی متعمداً فليتبوا مقعده من النار۔

**متواتر معنوی:** ایسی احادیث کی تعداد بہت زیادہ ہے مثلاً طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے احکام سے متعلق احادیث اور وہ احادیث جن میں بیع کی اقسام، نکاح اور غزوات کا ذکر کیا گیا ہے اور جن کے بارے میں سب مسلک ہائے اسلامی متفق الخیال ہیں۔

*** اخلاق نبوی ﷺ:** رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور اخلاقی کردار۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آکر آپ ﷺ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے واضح طور پر ممتاز نظر آتی ہے۔

آپ ﷺ خود اپنی تعلیم کا نمونہ تھے۔ انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کچھ کہتے تھے، گھر کے خلوت کدے میں وہ اسی طرح نظر آتے تھے۔ اخلاق و عمل کا جو نقطہ وہ دوسروں کو سکھاتے تھے وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتے تھے۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون رازداں ہوسکتا ہے۔ چند صاحبوں نے آکر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق بیان کیجئے! انہوں نے پوچھا، کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ ﷺ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ قرآن مجید لاکھوں مخالفین و اہل عناد کی بھیڑ میں اپنے داعی حق کی نسبت گویا تھا: "اے محمد ﷺ! تم اخلاق کے بڑے اعلیٰ درجے پر ہو۔"

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ ہے کہ صرف رحم ورافت اور تواضع وخاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیا گیا حالانکہ اخلاق وہ چیز ہیں جو زندگی کی ہر تہہ میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتے ہیں۔ دوست دشمن، عزیز وبیگانہ، صغیر وکبیر، مفلس وتونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت، غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرۂ اخلاق کی وسعت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہئے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ ﷺ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں، زمانہ آغاز وحی میں آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں: ہرگز نہیں، خدا کی قسم! خدا آپ ﷺ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی نے آپ ﷺ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو ورنہ آپ ﷺ اس سے بہت دور ہوتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا، خدا اس سے انتقام لیتا تھا (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی آپ ﷺ اس پر حد جاری فرماتے تھے)۔ آپ ﷺ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ ﷺ نے کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی، اگر وہ ناجائز نہ ہو۔ آپ ﷺ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں ہنستے اور مسکراتے ہوئے۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو یاد کر لے۔ کوئی برا کلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے۔ عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ ﷺ کو ناپسند ہوتی تو اس سے اعراض فرماتے۔ جو آپ ﷺ سے کوئی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس کرتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے یعنی صریح انکار و تردید نہیں کرتے تھے بلکہ خاموش رہتے تھے۔ اور مزاج شناس آپ ﷺ کے تیور سے آپ ﷺ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔

اپنے نفس سے تین چیزیں آپ ﷺ نے بالکل نکال دی تھیں: بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا، اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے: کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے کہ جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب آپ ﷺ گفتگو کرتے تو صحابہ کرام خاموش ہو کر اور سر جھکا کر بات کو پوری توجہ سے سنتے، اور جب آپ ﷺ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپس میں بات چیت کرتے۔ کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، آپ ﷺ چپ چاپ اس کی بات کو سنا کرتے۔ لوگ جن باتوں پر ہنستے، آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے۔ جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ ﷺ بھی تعجب کرتے۔ کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ ﷺ تحمل فرماتے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ ﷺ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہوتا آپ ﷺ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ نہات فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی پہلی بار آپ ﷺ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔

## مداومت عمل

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جن کاموں کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہیں اور وہ فطرتاً اسی پر مجبور ہیں۔ آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے۔ اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہو سکتا۔ رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے۔ وہ روشنی کی علت نہیں۔ درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایام بہار ہی میں پھولتے ہیں۔ حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال و اخلاق سے یک سر مو تجاوز نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان خدا کی طرف سے کسی حد تک مختار پیدا ہوا ہے۔ وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی۔ اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں۔ اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمے دار ہونے کا راز ہے۔ لیکن اخلاق کا ایک رقیق نکتہ یہ ہے کہ آدمی یہ افعال و اعمال و اخلاق اس قدر باقاعدگی اور پابندی سے ادا کرے کہ ان کو چھوڑنے کی غلطی اس سے سرزد ہو ہی نہ سکے۔ اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل اور پھول سے

خوشبو کہ یہ خصوصیات اس سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں۔ اسی کا نام "استقامت حال اور مداومت عمل" ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے۔ جس کام کو جس طریقے سے جس وقت آپ ﷺ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ "سُنّت" کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے ماخوذ ہے۔ سنت وہ فعل ہے جس پر آنحضور ﷺ نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کسی خاص دن یہ کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی برسنے پر آتی ہے تو نہیں رکتی اسی طرح آپ ﷺ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ ﷺ نے اختیار کر لی، ہمیشہ اس کی پابندی کی۔ پھر فرمایا، آنحضرت ﷺ جو کر سکتے تھے وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے، جب آنحضرت ﷺ کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کا خود ارشاد ہے: "خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ عمل ہے جس پر انسان سب سے زیادہ مداومت کرے۔"

آپ ﷺ راتوں کو اٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی رات کی عبادت ترک نہیں کی۔ اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سُست ہوا تو بیٹھ کر نماز ادا کرتے تھے۔

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ ﷺ نے مقرر کر لیا تھا، اس میں کبھی تکلف نہ ہوا۔ نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ اوقات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہیں آیا۔ اب یہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہے۔

## حسن خلق

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ہند رضی اللہ عنہا، ابی ہالہ وغیرہ جو مدتوں آپ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے، ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے اور کسی کی دل شکنی نہیں کرتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام و مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منھ نہ ہٹا لے۔ مصافحے میں بھی یہی معمول تھا یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانوں کبھی ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔

مجالس میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے۔ حضرت زینب سے جب نکاح ہوا اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے۔ اس وقت تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور حضرت زینب بھی مجلس میں شریک تھیں۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں، لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ لوگوں نے کچھ خیال کیا۔ آپ ﷺ اٹھ کر حضرت عائشہ کے حجرے تک گئے۔ واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا۔ پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے۔ پردے کی آیت اسی موقع پر اتری۔

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلے کا اچھا آدمی نہیں ہے، لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہ کو اس پر تعجب ہوا اور آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آپ ﷺ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے پھر بھی اس نرمی و اخلاق کے ساتھ کلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، خدا کے نزدیک

سب سے براوہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح فرمادیتے کہ لوگ اس طرح کرتے ہیں، اس طرح کرتے ہیں۔

## حسن معاملہ

اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ ﷺ کی زرہ من بھر غلے پر ایک یہودی کے ہاں گروی تھی، لیکن ہر حال میں حسن معاملت کا سخت اہتمام تھا۔ مدینہ میں دولت مند عموماً یہودی تھے اور اکثر انہی سے آپ ﷺ قرض لیا کرتے۔ یہودی عموماً سخت گیر ہوتے ہیں، لیکن آپ ﷺ ان کی ہر قسم کی بدمزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرض تو نہیں ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ مرنے والا مقروض تھا تو صحابہؓ سے فرماتے کہ جنازہ کی نماز پڑھادو، آپ ﷺ خود شریک نہ ہوتے۔

## عدل و انصاف

کوئی شخص گوشہ نشیں ہو کر بیٹھ جائے تو اس کے لئے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے۔ آنحضرت ﷺ کو عرب کے سیکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا۔ اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا تھا۔ ان سب مشکلات کے باوجود انصاف کا پلہ کبھی کسی طرف جھکنے نہ پاتا۔

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان تو ایک طرف یہود بھی جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے، اپنے مقدمات آپ ﷺ ہی کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے اور ان کی شریعت کے مطابق ان مقدمات کا فیصلہ ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کا صراحت سے ذکر ہے۔ اسلام سے پہلے یہودیان بنونضیر و بنو قریظہ میں عزت و شرافت کی عجیب و غریب حد قائم تھی۔ کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا، لیکن اگر کوئی قریظی، نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی۔ اسلام آنے کے بعد جب یہ واقعہ پیش آیا تو بنو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فوراً تورات کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کردیا۔

عدل و انصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلے میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے۔ ایک بار آپ ﷺ غنیمت کا مال تقسیم فرمارہے تھے۔ گرد و پیش لوگوں کا ہجوم تھا۔ ایک شخص آکر منہ کے بل آپ ﷺ پر لد گیا۔ دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے اس کو ٹہوکا دیا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی۔ فرمایا، مجھ سے انتقام لے لو۔ اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں نے معاف کردیا۔

مرض الموت میں آپ ﷺ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمے کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے۔ اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے۔ مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوادئیے گئے۔

## جود و سخا

جود و سخا آپ ﷺ کی فطرت تھی۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، خصوصاً رمضان کے مہینے میں آپ ﷺ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ تمام عمر کسی کے سوال پر منع نہیں فرمایا۔ بخاری شریف میں آپ ﷺ کے الفاظ مرقوم ہیں کہ "میں تو صرف بانٹنے والا ہوں اور دیتا اللہ ہے۔"

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اگر آپ ﷺ کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہوتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے ورنہ آئندہ دینے کا وعدہ فرماتے۔ اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر بے تکلف ہوگئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامت نماز

کے وقت ایک بدو آیا۔ آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے، خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں۔ اس کو پورا کر دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور حاجت برآری کر کے آئے تو نماز پڑھائی۔

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے بلکہ صحابہ کو بھی شریک فرما لیتے۔

## ایثار

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات میں جو وصف سب سے زیادہ نمایاں ہے اور جس کا اثر ہر موقعے پر نظر آتا ہے وہ "ایثار" تھا۔ اولاد سے آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی اور ان میں حضرت فاطمہ زہرا اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتیں تو فرط محبت سے آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ تاہم حضرت فاطمہ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ خود چکی پیستیں، خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ چکی پیستے پیستے ہتھیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک کے اثر سے سینے پر نیل پڑ گئے تھے۔ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ خود تو پاس حیا سے عرض حال نہ کر سکیں، جناب امیر نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوے میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز فاطمہ کو مل جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو، میں دوسری طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ (⇐ تسبیحات فاطمہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہرا خدمت اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس و تنگ دستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اب کے غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔

## مہمان نوازی

عرب میں مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہ نبوی ﷺ میں آتے تھے۔ رملہ ایک صحابیہ تھیں۔ ان کا گھر دار الضیوف (مہمان خانہ) تھا۔ یہیں لوگ مہمان اترتے تھے۔ ام شریک جو ایک دولت مند اور فیاض انصاریہ تھیں، ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا۔ مخصوص لوگ مسجد نبوی میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے۔ یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے، بغیر کچھ کھائے پئے واپس نہ آتے تھے۔ فیاضی میں کافر اور مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ ﷺ کے مہمان ہوتے اور آپ ﷺ یکساں ان کی مہمان نوازی کرتے۔ جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان ٹھہرایا اور خود ان کی خدمت کی۔

ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا۔ وہ سارے کا سارا دودھ پی گیا۔ آپ ﷺ نے دوسری بکری منگوائی۔ وہ بھی کافی نہ ہوئی۔ غرض سات بکریوں تک نوبت آئی۔ جب تک وہ سیر نہ ہوا، آپ ﷺ پلاتے گئے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل و عیال فاقہ کرتے۔ آپ ﷺ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمان کی خبر گیری کرتے تھے۔

## گداگری اور سوال سے نفرت

باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کا ابر کرم ہر وقت برستا رہتا تھا تاہم کسی کا بے ضرورت شدید سوال کرنا آپ ﷺ پر سخت گراں ہوتا تھا۔ ارشاد فرماتے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھ پیٹھ پر لاد لائے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔

قبیصہ نامی ایک صاحب مقروض ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس آئے اور اپنی حاجت عرض کی۔ آپ ﷺ نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا، اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے۔ ایک اس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار ہو وہ مانگ سکتا ہے، لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہئے۔ دوسرے اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی

مصیبت آگئی جس نے اس کے تمام مالی سرمائے کو برباد کیا اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہوجائے۔ تیسرے اس شخص کو جو مبتلائے فاقہ ہو اور محلے کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔

## صدقہ سے پرہیز

آنحضرت ﷺ اپنے اور اپنے خاندان کے لئے صدقہ وزکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ و عار سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں گھر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں۔ جی میں آتا ہے کہ اٹھا کر منہ میں ڈال لوں۔ پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقے کی کھجور نہ ہو، اس لئے وہیں ڈال دیتا ہوں۔

آپ ﷺ کے سامنے جب کوئی شخص چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قبول فرماتے اور اگر پتا چلتا کہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرمادیتے۔

## ہدیہ اور تحفے قبول کرنا

دوست احباب کے ہدایہ اور تحفے آپ ﷺ قبول فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے اس کو محبت میں اضافے کا بہترین ذریعہ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو تو باہم محبت ہوگی۔" اسی لئے صحابہ عموماً کچھ نہ کچھ آپ ﷺ کے گھر بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ ﷺ حجرۂ عائشہ میں قیام فرماتے تھے۔

آس پاس کے ملوک و سلاطین بھی آپ ﷺ کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفے میں دیا تھا۔ عزیز مصر نے ایک خچر مصر سے بھیجا تھا۔ ایک امیر نے آپ ﷺ کو موزے بھیجے تھے۔ ایک دفعہ قیصر روم نے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک پوستین بھیجی جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ذرا دیر کے لئے پہن لی پھر اتار کر حضرت علی کے بھائی حضرت جعفر کے پاس بھیج دی۔ وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس لئے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو۔ عرض کیا پھر کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔

## ہدایا اور تحفے دینا

جن لوگوں کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے ان کو ان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے۔

## عدم قبول احسان

کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے۔ حضرت ابوبکر سے بڑھ کر جاں نثار کون ہوسکتا تھا تاہم ہجرت کے وقت جب انہوں نے سواری کے لئے ناقہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس کی قیمت پیش کی۔ مدینہ میں مسجد کے لئے جو زمین درکار تھی، اس زمین کے مالکان نے وہ مفت نذر کرنا چاہی، لیکن آپ ﷺ نے اس کی قیمت ادا کی۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر دونوں ہم سفر تھے۔ عبداللہ بن عمر کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت ﷺ کے ناقے سے آگے نکل جاتا تھا۔ عبداللہ بن عمر روکتے تھے، لیکن وہ قابو میں نہ آتا تھا لہٰذا حضرت عمر حضرت عبداللہ بن عمر کو ڈانٹتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر سے کہا کہ یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔ انہوں نے نذر کرنا چاہا، لیکن آپ ﷺ نے کہا کہ دام لو! حضرت عمر نے دوبارہ کہا، یونہی حاضر ہے۔ آپ ﷺ نے انکار کیا۔ آخر کار حضرت عمر دام لینے پر تیار ہوگئے۔ آپ ﷺ نے خرید کر عبداللہ بن عمر کو دے دیا کہ اب یہ تمہارا ہے۔

## عدم تشدد

حضرت معاذ بن جبل ایک محلے میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھاتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر ہوں۔ ابو مسعود انصاری کا بیان ہے کہ میں نے

آنحضور ﷺ کو اتنا غضب ناک کبھی نہیں دیکھا جتنا اس موقعے پر دیکھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں۔ جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے، کیونکہ نماز میں بوڑھے، کمزور، کام والے سبھی طرح کے آدمی شریک ہوتے ہیں۔

حدو قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا، درگزر کرنا چاہتے۔

## رہبانیت ناپسند تھی

رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے۔ صحابہ میں سے بعض بزرگ میلان طبعی کی وجہ سے یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا۔ بعض صحابہ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے۔ انہوں نے قطع اعضا کرنا چاہا۔ آپ ﷺ نے سخت ناراضی ظاہر کی۔ قدامہ بن مظعون ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترک حیوانات اور دوسرے نے ترک نکاح کا عزم کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں۔ آپ ﷺ کی مرضی نہ پاکر دونوں صاحب اپنے ارادے سے باز رہے۔ عرب میں صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھے جاتے تھے۔ صحابہ نے بھی اس کا ارادہ کیا، لیکن آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے سختی سے روکا۔

## عیب جوئی اور تعریف کی ناپسندیدگی

مدح اور تقریب کو بھی آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس اقدس میں ایک شخص کا ذکر نکلا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کی بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی۔ یہ الفاظ چند بار فرمائے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم کو اگر کسی کی خواہی نخواہی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا۔ حضرت مقداد بھی موجود تھے۔ انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دیں۔ ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ محجن ثقفی سے پوچھا، یہ کون ہے؟ انہوں نے ان کا نام بتایا اور بہت تعریف کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ یعنی دل میں غرور پیدا ہو گا جو موجب ہلاکت ہو گا۔

## سادگی اور بے تکلفی

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں ہی چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے۔ روز روز کنگھا کرنا پسند نہ فرماتے۔ ارشاد تھا کہ ایک دن چھوڑ کر کنگھا کرنا چاہئے۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے غرض کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آتا، تناول فرماتے۔ پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا، پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی، بیٹھ جاتے۔ آپ ﷺ کے لئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی۔ کرتے کا تکملہ اکثر کھلا رکھتے تھے۔ لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے۔ سامان آرائش سے طبعاً نفرت تھی۔ غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند تھی۔

## امارت پسندی سے اجتناب

اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیاوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے تاہم ناز و نعمت، تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے۔

## مساوات

آپ ﷺ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمان و صہیب و بلال..... سب کے سب غلام رہ چکے تھے۔ ان حضرات کا آپ ﷺ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھا۔ حضرت سلمان و بلال ایک موقعے پر جمع تھے۔ اتفاق سے ابوسفیان

آنکلے۔ ان لوگوں نے کہا، ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے۔ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں سے کہا، سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا۔ ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکر نے فوراً جا کر ان حضرات سے کہا، بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے۔ ان لوگوں نے کہا، نہیں! خدا تم کو معاف کرے۔

قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اسامہ بن زید (جن سے آپ ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے) کو لوگوں نے سفارشی بنا کر خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اسامہ! کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا: "تم سے پہلے کی امتیں اسی لئے برباد ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے۔ خدا کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو اس کے بھی دونوں ہاتھ کاٹے جاتے۔"

## تواضع

آپ ﷺ گھر کا کام کاج خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے۔ گھر میں خود جھاڑو دیتے۔ بازار سے سودا لاتے۔ جوتی پھٹ جاتی تو گانٹھ لیتے۔ گدھے کی سواری سے آپ ﷺ کو شرم نہ تھی۔ غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے۔ غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ مفلسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ ﷺ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی، بیٹھ جاتے۔ تواضع کی انتہا یہ کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

## تعظیم اور تعریف سے روکتے تھے

اس نکتے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی مثال پیش نظر تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہیں۔ میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں۔ قیس بعد سعد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حیرہ گیا۔ وہاں لوگوں کو دیکھا کہ وہ رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جائے کہ آپ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گزرو گے تو سجدہ کرو گے۔ عرض کی نہیں! پھر فرمایا، جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہئے۔

## شرم وحیا

کتب صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ دوشیزہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے اور شرم و حیا کا اثر آپ ﷺ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا۔ کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی۔ بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گزر جاتے۔ تبسم کے سوا کبھی لب مبارک خندۂ قہقہہ سے آشنا نہیں ہوئے۔ بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ چہرے کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے۔

عرب میں دیگر ممالک کی طرح شرم و حیا کا بہت کم لحاظ تھا۔ ننگے نہانا عام بات تھی۔ حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو بالطبع یہ باتیں سخت ناپسند تھیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو۔ عرب میں حمام نہ تھے، لیکن شام و عراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے وہاں کثرت سے حمام تھے۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام ملیں گے۔ ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔

## اپنے ہاتھ سے کام کرنا

اگرچہ تمام صحابہ آپ ﷺ کے جاں نثار خادموں میں داخل تھے، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ، ابوسعید خدریؓ اور حضرت حسنؓ سے

روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے۔ایک شخص نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ ﷺ گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے۔ کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگاتے تھے۔ گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے۔ دودھ بھی دوہ لیتے تھے۔ بازار سے سودا خرید لاتے تھے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے۔ ڈول میں ٹانکے لگا دیتے تھے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے۔ اس کو چارہ دیتے تھے۔غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے تھے۔

## دوسروں کے کام کر دینا

خبابؓ بن ارت ایک صحابی تھے۔ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کسی مہم پر بھیجا۔ خباب کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔ اس بنا پر آپ ﷺ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔

## عزم واستقلال

خدا نے قرآن مجید میں اولو العزم من الرسل کہہ کر انبیائے کرام کے عزم اور حوصلے کی تعریف فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم الرسل تھے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپ ﷺ کی ذات میں ودیعت کیا تھا۔ انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت ﷺ کے عزم و استقلال کا مکمل مظہر ہے۔

عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے، بے یار و مددگار اور دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے۔ ریگستان کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے، لیکن وقار نبوت اور عزم ربانی سے شکست خوردہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے۔

## شجاعت

یہ وصف انسانیت کا اعلیٰ جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔ عزم و استقلال، حق گوئی، راست گفتاری..... یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو سیکڑوں مصائب و خطرات اور بیسیوں معرکے اور غزوات پیش آئے، لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی۔ غزوۂ بدر میں گھمسان کی لڑائی میں تین سو نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ڈگمگا جاتے تھے تو مرکز نبوت ہی کے دامن میں آکر پناہ لیتے تھے۔ حضرت علی جن کے دست بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، کہتے ہیں کہ جب بدر میں زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ﷺ کی آڑ میں آکر پناہ لی۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ مشرکین کی صف سے اس دن آپ ﷺ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔

## ایفائے عہد

ایفائے عہد آپ ﷺ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپ ﷺ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد ﷺ نے بدعہدی بھی کی ہے۔ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں۔ وحشیؓ جنہوں نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے۔ اہل طائف نے مدد بھیجنے کے لئے جو وفد مرتب کیا اس میں ان کا نام بھی تھا۔ ان کو ڈر تھا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے، لیکن دشمنوں نے ان کو یقین دلایا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ۔ محمد ﷺ سفرا کو قتل نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ صفوان بن امیہ قبل اسلام شدید ترین دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادے سے جدہ چلے گئے۔ عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کو امان کی نشانی ہے۔ عمیر عمامہ مبارک لے کر صفوانؓ کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں، تم کو امان ہے۔ جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی، کیا آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں یہ سچ ہے۔

⇦ وحشی بن حرب + صفوان بن امیہ + ابوسفیان

### زہدو قناعت

مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ میں تھے، محض پیغمبر تھے۔ مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عرب کے زیر نگیں ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جو کے عوض گروی تھی۔ جن کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا تھا اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آ چکا تھا۔

### عفو و حلم

ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا بجز اس کے کہ اس نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی ہو۔

### دشمنوں سے درگزر اور حسن سلوک

انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے زیادہ کمیاب اور نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے، لیکن حامل وحی نبوی کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی حق ہے، لیکن تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

### کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ

کفار کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔ مورخین یورپ میں مدعی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کے ساتھ حسن خلق کا یہ معاملہ اس وقت بھی جاری تھا جب نبی کریم ﷺ کو مدینہ میں اقتدار حاصل ہو چکا تھا (ان واقعات کی تفصیل علامہ شبلی نعمانی کی "سیرت النبی" جلد دوم کے باب "اخلاق نبوی" میں دیکھی جا سکتی ہے)۔

### یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ

خلق عظیم میں کافر و مسلم، دوست دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی۔ ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرت ﷺ سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعے سے ملتی ہے، لیکن آپ ﷺ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ ﷺ انہی کی تقلید فرماتے۔

### دشمنان جاں سے عفو و درگزر

جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزر کا واقعہ پیغمبروں کے صحیفہ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے۔ جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی، کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمد ﷺ کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس لئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانہ نبوی ﷺ کا محاصرہ کئے کھڑا رہا۔ اگرچہ اس وقت دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ ﷺ میں ظاہری قوت نہ تھی، لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف محمد ﷺ کے رحم و کرم پر موقوف تھی، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی بھی مجرم اس جرم میں قتل نہیں ہوا۔

### دشمنوں کے حق میں دعائے خیر

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے، لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے۔ جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو لوگ ان کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں وہ ان کو پیار کرتے ہیں۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرت ﷺ پر جو مسلسل مظالم ہو رہے تھے اس داستان کے دہرانے کے لئے بھی سنگ دلی درکار ہے۔ اسی زمانے میں حضرت خباب بن ارت نے عرض کی کہ یا رسول اللہ!

دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیے۔ یہ سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔ ایک دفعہ چند صحابہ نے مل کر اسی قسم کی بات کی تو فرمایا کہ میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

## بچوں پر شفقت

آپ ﷺ بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے۔ راستے میں بچے ملتے تو ان کو خود سلام کرتے۔ ایک دن خالد بن سعید خدمت اقدس میں آئے۔ ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی اور سرخ رنگ کا کرتا بدن پر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، سنہ! سنہ! (حبشی زبان میں "حسنہ" کو "سنہ" کہتے ہیں)۔ چونکہ ان کی پیدائش حبشہ میں ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس مناسبت سے حبشی تلفظ میں حسنہ کے بجائے "سنہ" کہا۔

آنحضرت ﷺ کی پشت پر جو مہر نبوت تھی، ابھری ہوئی تھی۔ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھیلنے لگتے ہیں۔ وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگے۔ حضرت خالد نے ڈانٹا۔ آنحضرت ﷺ نے روکا کہ کھیلنے دو۔

## غلاموں پر شفقت

آنحضرت ﷺ غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ۔ آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے ان کو ہمیشہ آپ ﷺ آزاد فرماتے تھے، لیکن وہ حضور ﷺ کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہوسکتے تھے۔ ماں باپ، قبیلے، رشتے کو چھوڑ کر عمر بھر آپ ﷺ کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔ زید بن حارثہ غلام تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ان کے باپ ان کو لینے آئے، لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ زید کے بیٹے اسامہ سے آپ ﷺ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے، اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو اس کو زیور پہناتا۔ خود اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔

## مستورات کے ساتھ برتاؤ

دنیا میں یہ صنف ضعیف یعنی عورتیں چونکہ ہمیشہ ذلیل رکھی گئی ہیں، اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی کسی کے پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریقہ معاشرت کیا ہو۔ اسلام دنیا کا وہ سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کو ان کے حقوق دیئے اور عزت و منزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی، اس لئے شارع اسلام کے واقعات زندگی میں ہم کو بھی یہ دیکھنا چاہئے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔

صحیح بخاری میں آنحضرت ﷺ کے ایلا ازواج مطہرات (⇦ ایلا) سے چند روز علیحدگی کی جو روایت مذکور ہے اس میں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی، لیکن اس قدر نہیں جس کی وہ مستحق تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے جس طرح اپنے ارشاد و احکام سے ان کے حقوق قائم کئے، آپ ﷺ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا۔

## عام رحمت و محبت

حضور انور ﷺ کی ذات پاک تمام دنیا کے لئے رحمت بن کر آئی تھی۔ حضرت مسیح نے کہا تھا کہ میں امن کا شہزادہ ہوں، لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس ثبوت میں محفوظ نہیں۔ جب کہ امن کے شہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا: وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (محمد ﷺ! ہم نے تم کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔

## رقیق القلبی

آنحضرت ﷺ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ مالک بن حویرث ایک وفد کے کارکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کو بیس دن تک مجلس نبوی ﷺ میں شرکت کا موقع ملا۔ وہ کہتے ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔"

حضرت زینب کا بچہ فوت ہونے لگا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ بچے کو لے کر سامنے لائے۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔ بے اختیار آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حضرت سعد کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، خدا انہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔

## عیادت، تعزیت و غم خواری

بیماروں کی عیادت میں دوست دشمن، مؤمن و کافر کسی کی تخصیص نہ تھی۔ سنن نسائی باب الکبیر علی الجنازہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے تھے۔ بخاری و ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے۔

## لطف طبع

آپ ﷺ کبھی کبھی ظرافت کی باتیں بھی فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انس کو پکارا تو فرمایا، "او دو کان والے" اس میں یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انس نہایت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت انس کے چھوٹے بھائی کا نام "ابو عمر" تھا۔ وہ کمسن تھے اور ایک ممولا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے وہ مرگیا۔ ابو عمر کو بہت رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کو غم زدہ دیکھا تو فرمایا، ابو عمر! تمہارے ممولے نے کیا کیا۔

## اولاد سے محبت

اولاد سے نہایت محبت تھی۔ معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ ہی ہوتیں۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں گئے۔ اسی اثنا میں حضرت فاطمہ نے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، اور حضرت حسین رض کے لئے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازے پر پردے لٹکائے۔ آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہ کے گھر نہیں گئے۔ وہ سمجھ گئیں۔ فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے کنگن اتار لئے۔ صاحب زادے روتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے کنگن لے کر بازار میں بھیج دئیے اور کہا کہ ان کے بدلے ہاتھی دانت کے کنگن لادو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہوجاتے۔ ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

# ا ذ

*** اذان:** وہ خاص طریقہ جس کے ذریعے مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ نماز کے لئے بلایا جاتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں نماز باجماعت کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے چاہا کہ کچھ لوگوں کو مقرر کر دیا جائے جو مقررہ وقت پر مسلمانوں کے گھروں پر جائیں اور انہیں نماز کے لئے مسجد میں بلائیں، لیکن اس کا طریقہ کیا ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام کو مشورے کے لئے جمع کیا گیا۔ مختلف صحابہ کرام نے اس سلسلے میں مختلف مشورے دئیے یہاں تک کہ حضرت عمر (اور ایک رائے کے مطابق حضرت عبداللہ بن زید) نے خواب میں اذان کا موجودہ طریقہ جانا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کر دیا۔ آپ ﷺ کو یہ طریقہ پسند آیا اور حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم کر دیا۔ تب سے اب تک اسی طریقے پر اذان دی جاتی ہے البتہ فجر کی اذان میں بقیہ چار نمازوں کی اذان کے لحاظ سے ایک جملے کا اضافہ ہے: قد قامت الصلوٰۃ۔ ← عمر فاروق۔

*** اذکار:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ وہ کتب حدیث ہیں جن میں آنحضرت ﷺ سے منقول دعائیں جمع کی گئی ہوں، جیسے امام نووی کی "کتاب الاذکار" اور علامہ ابن جوزی کی "حصن حصین من کلام سید المرسلین"، ← حصن حصین + نووی، امام۔

## ار

*** اربعین:** علم حدیث کی ایک اصطلاح بہ معنی "چہل حدیث" یعنی چالیس احادیث۔ "الاربعین" ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں چالیس حدیثیں کسی ایک باب اور موضوع کی یا مختلف ابواب کی جمع کی گئی ہوں۔ چنانچہ بے شمار محدثین نے اربعین لکھی ہیں اور ان کا مقصد تالیف امام بیہقی کی اس حدیث پر عمل کرنا ہے جو انہوں نے "شعب الایمان" میں حضرت ابودرداؓ سے مرفوعاً نقل کی ہے: من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فی امر دینها بعثه الله فقیها و کنت له یوم القیامة شافعا و شهیدا "میری اُمت کو فائدہ پہنچانے کے لئے جو شخص چالیس حدیثیں یاد کرے اور دوسروں تک یہ چالیس حدیثیں علم دین کے سلسلے میں پہنچائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو فقہا اور علما کے ساتھ اٹھائیں گے اور میں ایسے شخص کے لئے شفاعت کروں گا اور اس کا گواہ بنوں گا۔"

یہ حدیث عوام میں بہت مشہور ہے، لیکن امام احمد نے اس حدیث کے بارے میں کلام کیا ہے۔ تاہم اس وقت اردو میں بھی اربعین یعنی چہل حدیث پر کئی کتابیں دستیاب ہیں جن میں کسی ایک یا کئی ایک موضوعات پر چالیس احادیث جمع کر کے ان کا ترجمہ اور تشریح دی جاتی ہے۔

*** ارقم، عبداللہ بن:** صحابی رسول ﷺ جن کا مکان اسلام کے ابتدائی دنوں میں مرکز اسلام رہا۔ حضرت عمر نے اسی جگہ آکر اسلام قبول کیا۔ حضرت ارقم کا یہ مکان "دار ارقم" کہلاتا تھا۔

حضرت ارقم کے والد کا نام عبد مناف تھا اور وہ قبیلہ مخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ارقم نے کم عمری میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کی اور غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے۔ ۵۳ھ (۶۷۳ء) یا ۵۵ھ (۶۷۵ء) میں وفات پائی۔ دار ارقم بعد میں "بیت الخیزران" کے نام سے مشہور ہوا۔ ⇐ عمر فاروق + بدر، غزوہ + ہجرت مدینہ۔

## از

*** ازدواجی زندگی:** نبی کریم ﷺ کی گھریلو زندگی، ازدواج مطہرات سے آپ ﷺ کا تعلق اور ان شادیوں کی حقیقت اور توجیہات۔

اس مختصر سے مضمون میں یہ واضح کرنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی شادیوں کے اغراض و مقاصد عام انسانوں کے مقاصد نکاح سے کچھ مختلف تھے۔ قبل اس کے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کا تعارف پیش کیا جائے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تعداد ازواج کے مسئلے پر تھوڑی سی روشنی ڈالی جائے، کیونکہ اس کے بارے میں خارجی اور اندرونی دونوں جانب سے اعتراضات ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا جان لینا چاہئے کہ ظہور رسالت سے قبل نکاح کے لئے بیویوں کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ جو شخص جتنی بیویاں چاہے، رکھ سکتا تھا۔ چونکہ عربوں میں یہ طریقہ زمانہ دراز سے چلا آرہا تھا، اس لئے اس پر قدغن لگانا بجائے خود ایک ناممکن کام تھا۔ لیکن جس طرح آنحضرت ﷺ نے دوسرے انقلابی کام کئے اسی طرح بحکم خداوندی اس رواج کو بھی مٹادیا اور شادیوں کی تعداد ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار مقرر کی۔ تمام صحابہ نے اس پر عمل کیا اور اس کے بعد سے آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ یہ اسلام کا ایک انقلابی اور تحسین آفریں کام ہے۔

اب یہ نقطہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام نے ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اس کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی اس سخت پابندی کے ساتھ مشروط ہے کہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ بصورت دیگر صرف ایک بیوی رکھنی چاہئے۔ یہ قرآن کا صریح اور واضح حکم ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلام کا کوئی قانون بھی حکمت سے خالی نہیں

ہوتا۔ چنانچہ تعداد ازدواج کی اجازت کا حکم بھی چند مصلحتوں کی بنا پر ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اگر پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہو سکتی یا وہ کسی مہلک مرض میں ہو تو اس صورت میں اس کی حق تلفی کئے بغیر اور اس کو طلاق دیئے بغیر شادی کی جاسکتی ہے۔ ایسا کرنے میں پہلی بیوی کا کوئی حق بھی غصب نہیں ہوتا اور انسان کے مقاصد نکاح کا ایک بڑا مقصد یعنی افزائش نسل بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی جنگ میں مردوں کی کثیر تعداد شہید ہو جائے اور معاشرے میں ان کی بیوائیں جن میں جوان عورتیں بھی شامل ہوں، باقی رہ جائیں تو بجائے اس کے کہ ان جوان عورتوں کو اپنے جنسی حقوق سے محروم کر دیا جائے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی غیر شادی شدہ شخص ان سے شادی نہ کرے تو ایک شادی شدہ انسان کے ساتھ اپنی دوسری شادی کر سکتی ہیں۔ اگر اسلام نے تعدد ازواج کی اجازت نہ دی ہوتی تو ایسی عورتیں محرومی کی زندگی گزارتیں یا بے سہارا ہو کر ذہنی طور پر پریشان رہتیں یا معاشرے میں اخلاقی برائیوں کے فروغ کا باعث ہوتیں۔ اسلام نے اپنے اس قانون کے ذریعے معاشرے کی اخلاقی برائیوں کا سدباب کر دیا۔ یہ اور اسی طرح کی دیگر مصلحتیں ہیں جن کی بنا پر اسلام نے تعدد ازواج کو روا رکھا ہے۔ جو قومیں اسلام کے اس مصلحت آمیز قانون پر معترض ہیں اور صرف ایک شادی کی اجازت دیتی ہیں ان کے معاشرے میں ایسی اخلاقی برائیاں فروغ پاچکی ہیں جن کے ذکر سے قلم شرماتا ہے۔ اسلام میں تعدد ازواج کا قانون ان معاشروں کے مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے جہاں عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہو۔ ان حالات میں بجائے اس کے کہ بیشتر عورتیں غیر شادی شدہ رہ کر بے سہارا ہو جائیں اور اپنی طبعی نفسانی خواہشات کی یا تو تکمیل نہ کر پائیں یا پھر گناہ کی زندگی گزاریں، اسلام ایک مرد کی زوجیت میں کئی عورتوں کے آنے کی اجازت دیتا ہے اور معاشرے کے اس مسئلے کو بخوبی حل کرتا ہے۔

غیر مسلم قومیں اور ہم میں سے بعض ایسے لوگ جنہوں نے سیرت طیبہ کا تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا ہے، چار سے زائد بیویاں نہ رکھنے کا حکم آنے کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں نو بیویاں رکھنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ دشمنان اسلام یہ اعتراض آنحضرت ﷺ کی کردار کشی کی غرض سے کرتے ہیں جب کہ مسلمان لاعلمی کی بنا پر اس قسم کے شبہات کو اٹھاتے ہیں۔ مخالفین اسلام کا مقصد یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی یہ شادیاں (نعوذ باللہ من ذالک) اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے تھیں اور یہ سلسلہ انہوں نے آخر تک جاری رکھا۔

ان کے اس بے بنیاد اعتراض کے جواب میں صرف یہ تاریخی حقیقت بیان کر دینا کافی ہے کہ قبل از نبوت، اپنے عنفوان شباب میں آپ ﷺ کا دامن ہر طرح کے گناہ سے پاک تھا۔ عین اس وقت کہ جب آپ ﷺ تبلیغ دین میں مصروف تھے، قریش نے آپ ﷺ پر ہر طرح کے اعتراضات کئے، لیکن کسی نے بھی آپ ﷺ کی پاک دامنی کے خلاف کچھ نہ کہا۔ اگر خدانخواستہ آپ ﷺ کا اخلاق و کردار مشتبہ ہوتا تو دشمنان دین سب سے پہلے اس کا ذکر کرتے۔ یہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عین جوانی میں بھی آپ ﷺ کا اخلاق اعلیٰ وارفع تھا۔

اسی طرح جب حضرت خدیجہ سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا تو آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ کیا عمر کا یہ تفاوت واضح طور یہ ثابت نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کی پہلی شادی بھی محض نفسانی خواہشات کی تکمیل نہ تھی۔ اس کے علاوہ سوائے حضرت عائشہ کے آپ ﷺ کی تمام بیویاں سن رسیدہ، مطلقہ یا بیوائیں تھیں۔ کیا آپ ﷺ کے لئے اپنی نفسانی خواہشات کی خاطر حسین اور کم سن دوشیزائیں ملنا مشکل تھا؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی شان اعلیٰ و ارفع اور آپ ﷺ کا اخلاق تمام رذائل سے پاک تھا۔ آپ ﷺ کی تمام شادیاں اُمت کی تعلیم کے لئے تھیں۔ آپ ﷺ نے بیواؤں، مطلقات، باکرہ، کم سن اور عمر رسیدہ ہر طرح کی عورتوں سے نکاح کر کے اُمت کو یہ بتایا کہ صرف دوشیزاؤں اور باکرہ خواتین سے نہیں بلکہ بیواؤں، مطلقہ اور سن رسیدہ عورتوں سے بھی نکاح کیا جاسکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی متعدد شادیوں کے اغراض و مقاصد شرعی، دینی

اور سیاسی نوعیت کے تھے۔ کبھی آپ ﷺ نے کسی قبیلے کی عورت سے اس لئے نکاح کیا کہ اس تعلق کی بنا پر وہ قبیلہ اسلام کی طرف مائل ہوجائے جیسا کہ حضرت جویریہ سے نکاح کرنے کے بعد ہوا کہ وہ قبیلہ جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا اس شادی کے بعد حلقہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ کبھی جنگ میں آئی ہوئی کسی عورت سے آپ ﷺ نے اس لئے شادی کی کہ وہ کسی رئیس قبیلہ کی بیٹی تھی اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے سے نکاح اس کے اور اس کے قبیلے کے لئے ننگ عار ہوتا۔ جیسا کہ حضرت صفیہ کے ساتھ کیا کہ وہ حُیی بن اخطب کی بیٹی تھیں جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ آپ ﷺ نے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے اس لئے شادی کی کہ اُمت کو یہ نقطہ سمجھادیا جائے کہ اسلام میں اگر کسی نے کسی کو "لے پالک" بنا لیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن جائے گا اور یہ کہ لے پالک کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔ آپ ﷺ نے زینب بنت جحش سے شادی کی جو آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کی مطلقہ تھیں۔

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی شادیاں موانست اور رفاقت کے لئے بھی تھیں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد حضرت سودہ سے شادی پر رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچوں کی نگہداشت اور گھریلو انتظامات کے لئے مجھے رفیقہ حیات کی ضرورت ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بعض ان خواتین سے نکاح کیا جن کے شوہر ان سے اس لئے الگ ہوگئے تھے کہ یہ خواتین مسلمان تھیں اور شوہر غیر مسلم تھے جیسا کہ حضرت ام حبیبہ کے معاملے میں کہ جن کے شوہر نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جن کے شوہر اسلامی جنگوں میں قید ہوگئے تھے اور وہ بے سہارا ہوگئیں جیسا کہ حضرت ام سلمہ کے ساتھ ہوا کہ ان کے شوہر غزوۂ احد کے بعد انتقال کرگئے۔

آپ ﷺ کی زوجیت میں حضرت عائشہ وہ واحد خاتون تھیں کہ جب ان کا نکاح ہوا تو وہ کنواری اور کم سن تھیں۔ اس نکاح کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کے علاوہ کنواری اور کم عمر لڑکیوں سے بھی شادی سنت رسول ﷺ ہے۔ اگر آپ ﷺ کی یہ شادی نہ ہوئی ہوتی تو ممکن ہے لوگ اسوۂ رسول ﷺ سمجھ کر صرف زیادہ عمر کی مطلقہ اور بیواؤں سے شادیاں کرتے۔

آئیے اب اس مسئلے پر بھی ایک نظر ڈالیں کہ چار سے زائد بیویاں نہ رکھنے کا حکم آجانے کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں چار سے زیادہ بیویاں کیوں رہیں؟ یہ سوال نہ صرف غیر مسلموں بلکہ کچھ سادہ لوح مسلمانوں کے ذہن میں بھی ابھرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لئے ہوا کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات قرآن کی رو سے امہات المؤمنین یعنی مسلمانوں کی مائیں قرار دی گئی ہیں۔ ظاہر ہے ماں سے نکاح حرام ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ ﷺ ان میں سے چار کے علاوہ دیگر ازواج کو طلاق دے دیتے تو کوئی شخص بھی ان سے نکاح نہیں کر سکتا تھا اور وہ ساری عمر مطلقہ ہی رہتیں۔ مزید براں ازواج مطہرات مسلمانوں خصوصاً مسلمان عورتوں کو دینی مسائل کی توضیح و تشریح کے لئے بھی مامور تھیں۔ انہیں وجوہ کی بنا پر آنحضرت ﷺ کو خصوصی اجازت دی گئی تھی کہ آپ ﷺ چار سے زائد بیویاں رکھ سکتے تھے۔ لیکن یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ یہ خصوصی اجازت صرف ان عورتوں کے لئے تھی جو آپ ﷺ کے حلقہ نکاح میں پہلے سے تھیں۔ یہ اجازت نہیں دی گئی کہ چار سے زائد بیویاں نہ رکھنے کا حکم آجانے کے بعد بھی آپ ﷺ موجودہ بیویوں میں ایک کا بھی اضافہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اس حکم کے آجانے کے بعد آپ ﷺ نے کوئی شادی نہیں کی۔ رحلت کے وقت آپ ﷺ کی جو نو بیویاں تھیں ان سے آپ ﷺ کا نکاح اس قانون کے آنے سے قبل ہوا تھا۔

⇐ ازواج مطہرات۔

**٭ ازواج مطہرات:** نبی کریم ﷺ کی پاک بیویاں۔ نبی کریم ﷺ کی تمام بیویوں کو امہات المؤمنین یعنی مؤمنوں کی مائیں بھی کہا جاتا ہے۔ ازواج مطہرات کی کل تعداد کے بارے میں کسی قدر اختلاف ہے۔ کچھ کے مطابق چودہ ہے اور کچھ کے مطابق تیرہ اور گیارہ اور نو کی تعداد بھی مذکور ہے۔ ازواج مطہرات درج ذیل خواتین تھیں۔ ان کی تفصیل آئندہ حروف تہجی کے اعتبار سے آئے گی:

❶ حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ ⇐ خدیجہ۔

❷ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ ⇦ سودہ بنت زمعہ۔
❸ حضرت عائشہ بنت ابوبکر۔ ⇦ عائشہ۔
❹ حضرت حفصہ بنت عمر۔ ⇦ حفصہ بنت عمر۔
❺ حضرت ام سلمہ ہند بنت خذیفہ۔ ⇦ ام سلمہ۔
❻ حضرت زینب بنت خزیمہ۔ ⇦ زینب بنت خزیمہ۔
❼ حضرت زینب بنت جحش۔ ⇦ زینب بنت جحش۔
❽ حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار۔ ⇦ جویریہ بنت حارث۔
❾ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان۔ ⇦ ام حبیبہ۔
❿ حضرت صفیہ بنت حیّ۔ ⇦ صفیہ، ام المؤمنین۔
⓫ حضرت ریحانہ بنت زید نضریہ۔ ⇦ ریحانہ بنت زید۔
⓬ حضرت میمونہ بنت حارث۔ ⇦ میمونہ بنت حارث
جبکہ ماریہ قبطیہ کنیز تھیں۔ ⇦ ماریہ قبطیہ

## اس

**٭اساف:** کعبہ میں نصب ایک مشہور مورتی کا نام۔ یہ مورتی چاہ زم زم پر نصب تھی۔ ⇦ آب زم زم۔

**٭اسامہ بن زید:** صحابی رسول ﷺ۔ ابو محمد اور ابوزید کنیت تھی۔ حضرت برکہ ام ایمن کے بطن سے پیدا ہوئے۔ غزوۂ خیبر کے بعد ان کا وظیفہ مقرر ہوا، اسی پر گزارہ کرتے۔ سب سے پہلے فتح مکہ میں شرکت کی، کیونکہ کم عمری کی وجہ سے پہلے اجازت نہ ملتی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ کئی ایک اہم مہمات میں شرکت کی۔ جنگ صفین میں غیر جانب دار رہے۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئے۔

**٭اسباب الحدیث:** علم حدیث کی ایک اصطلاح یعنی حدیث کے اسباب اور وجوہ۔ حدیث میں ان کی وہی حیثیت ہے جو تفسیر میں اسباب النزول کی ہے یعنی اس میں قولی احادیث کا سبب ورود بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کون سا ارشاد کن حالات میں فرمایا۔ اس نوع کی بہت کم کتابیں لکھی گئیں۔ اس میں سب سے پہلی تصنیف امام ابوحفص العکبری کی ہے۔ ان کے بعد حامد بن کرنی اور علامہ سیوطی نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ ہمارے دور میں اس نوع کی صرف ایک کتاب باقی رہ گئی ہے جس کا نام "البیان و التعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف" ہے جو علامہ ابراہیم بن محمد شہیر بابن حمزہ حسینی الدمشقی کی تالیف ہے۔ +حدیث

**٭اسحاق علیہ السلام:** اللہ کے برگزیدہ نبی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند۔ پہلے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ حضرت اسحاقؑ حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور حضرت اسماعیل سے چودہ برس چھوٹے تھے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام اس لحاظ سے ایک عظیم پیغمبر تھے کہ ان کے بعد بنی اسرائیل میں جتنے رسول اور نبی آئے وہ سب کے سب انہی کے خاندان اور نسل سے تھے۔ جس وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بشارت سنائی کہ حضرت سارہ کے بطن سے بھی ایک بیٹا ہوگا، اس کا نام اسحاق رکھنا جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

"اور بلاشبہ ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے ابراہیم کو سلام کیا اور ابراہیم نے سلام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابراہیم بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لائے اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ بھنے گوشت کی طرف نہیں بڑھے تو انہوں نے فرشتوں کو اجنبی محسوس کیا اور ان سے خوف کھایا۔ فرشتے کہنے لگے، خوف نہ کھاؤ، ہم لوط کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی ہنس رہی تھیں۔ پس ہم نے اس کو اسحاق کی اور اس کے بعد (اس کے بیٹے) یعقوب کی بشارت دی۔" (سورۂ ہود: ٦٩)

قرآن حکیم میں حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر سورۂ ہود کے علاوہ سورۂ حجر اور سورۂ ذاریات میں بھی ہے اور سورۂ مریم، سورۂ صافات، سورۂ انعام اور سورۂ ص میں آپؑ کے نبی ہونے اور آپؑ پر اللہ کی

رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا ذکر ہے۔

حضرت اسحاق کا مولد و مسکن شام کی سرزمین تھا جہاں سفر مصر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اقامت گزیں ہوگئے تھے۔ چالس مارسٹن کی تحقیق کے مطابق حضرت اسحاق کا سن پیدائش ۲۰۶۰ ق م تھا۔ اسحاق اصل تلفظ کے اعتبار سے "یضحق" ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے جس کا عربی ترجمہ "یضحک" ہے۔ اس کے معنی "ہنستا ہوا" کے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو سو برس اور حضرت سارہ کو نوے برس کی عمر میں بیٹے کی بشارت دی تو حضرت ابراہیم نے اسے اچنبھا سمجھا اور حضرت سارہ کو بھی ہنسی آگئی، اس لئے ان کا نام اسحاق تجویز ہوا۔ عربی قاعدے سے یضحق مضارع کا صیغہ ہے۔ اہل عرب کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ مضارع کے صیغوں کو بھی بطور نام کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ "یعرب" اور "یملک" جیسے نام عرب میں معروف و مشہور ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے بچپن کے واقعات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب آٹھ دن کے ہوئے تو شریعت ابراہیمی کے مطابق آپ علیہ السلام کا ختنہ ہوا۔ آپؑ کو جناب سارہؓ ہی نے دودھ پلایا۔ آپ علیہ السلام کی رضاعت کا زمانہ ختم ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک شان دار ضیافت کی۔ حضرت سارہ کی عمر اس وقت ۱۲۷ سال تھی۔ جب وہ حبرون میں انتقال کر گئیں اور وہیں دفن ہوگئیں تو اس وقت حضرت ابراہیم نہایت بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی کی زیادہ فکر لاحق ہوگئی۔ آپ علیہ السلام چاہتے تھے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی کسی کنعانی لڑکی سے نہ ہو بلکہ خاندان ہی کی کسی مناسب لڑکی سے رشتہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت اسحاق کی شادی ربقہ سے ہوگئی جو حضرت ابراہیم کے بھائی ناحور کی پوتی تھی۔ جناب ربقہ کے والد بتیوایل تھے اور اس کے بھائی کا نام لابن تھا۔ تورات کی تصریح کے مطابق اس وقت حضرت اسحاق کی عمر چالیس سال تھی اور ابراہیم ایک سو چالیس برس کے تھے۔ چارلس مارسٹن کی تحقیق کے مطابق آپ علیہ السلام کی شادی ۲۰۲۰ ق م میں ہوئی۔ جناب ربقہ بانجھ تھیں۔ بیس برس تک ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت اسحاق نے دعا مانگی جو قبول بارگاہ ہوئی اور ربقہ کے بطن سے جڑواں بیٹے تولد ہوئے۔ پہلے عیسو ادوم جن کا رنگ سرخ تھا، بدن پر بال تھے اور پھر حضرت یعقوب۔ اس وقت حضرت اسحاق کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ بڑے ہو کر عیسو ادوم ایک ماہر شکاری نکلے اور شکار کا گوشت لا کر حضرت اسحاق کی تواضع کرتے تھے۔ حضرت یعقوب سادہ مزاج تھے اور زیادہ تر اپنے ڈیرے ہی میں رہا کرتے تھے۔ حضرت یعقوب کا پیشہ چوپانی تھا جو امم سامیہ کے تمام پیغمبروں کا رہا ہے۔

کنعان میں ان دنوں نہایت شدید قسم کا قحط پڑا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم نے اسی قحط کی بنا پر مصر کا سفر اختیار کیا تھا۔ اب جو پھر کنعان میں اس قسم کا ایک اور قحط پڑا تو حضرت اسحاق نے وہاں سے ہجرت کا ارادہ کیا۔ اس وقت وحی الٰہی کے ذریعے آپ علیہ السلام کو مصر جانے سے روک دیا گیا۔ اس موقع پر حکم ہوا کہ آپ فلسطینیوں کے ملک جرار تشریف لے جائیں۔ جرار ان دنوں قدیم فینشیہ یا موجودہ لبنان کے جنوب میں بحر روم کے کنارے واقع تھا۔ یہاں کا حکمران ابی ملک تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلیف اور دوست تھا۔ حضرت اسحٰق اپنے اہل و عیال سمیت جرار میں قیام پذیر ہوگئے۔ آپ علیہ السلام چونکہ بہت زیادہ خوش حال اور متمول تھے، اس لئے مقامی آبادی حسد کی بنا پر آپؑ کے خلاف ہوگئی اور ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کے خلاف ہنگامے اور شرارتیں شروع کر دیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھدوائے ہوئے کنوؤں کو بند کر دیا اور ابی ملک کو اکسایا کہ وہ کسی طرح سے حضرت اسحاق کو ملک سے نکال دے۔ وہ پہلے تو راضی ہوگیا اور اس نے حضرت اسحاق کو ملک بدر کر دیا، لیکن ادھر آپ جرار تشریف لے گئے ادھر ابی ملک طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ مصیبتیں حضرت اسحاق کے چلے جانے کے باعث نازل ہو رہی ہیں۔ چنانچہ اس نے آپ علیہ السلام کی منت سماجت کی اور آپ کو جرار واپس بلا لیا۔ جرار واپس آکر حضرت اسحاق نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کنوؤں کی کھدائی کرائی اور ان کے وہی نام رکھے جو پہلے تھے مثلاً بیر عسق، بیر ستنہ، بیر رحولت اور بیر سبع وغیرہ۔ بیر سبع میں

حضرت اسحاق نے ایک عبادت گاہ بھی تعمیر کرائی۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "اور ہم نے ان (ابراہیم) اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور وہ ہمارے نزدیک نیک اور منتخب لوگوں میں سے تھے۔" (سورۃ ص: ۴۵-۴۷)

حضرت اسحاق آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپؑ نے باقی ساری عمر فلسطین میں گزاری اور ایک سو اسی سال کی عمر میں کنعان میں فوت ہوئے۔ قریہ اربع (حبرون) میں حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے پہلو میں دفن ہیں۔ ⇐ ابراہیمؑ + اسماعیلؑ۔

**٭ اسحاق اخرس مغربی**: مدعی نبوت۔ مغرب کا رہنے والا تھا۔ اہل عرب کی اصطلاح میں مغرب شمالی افریقہ کے اس حصے کا نام ہے جو مراکش، تیونس، الجزائر وغیرہ ممالک پر مشتمل ہے۔

اسحاق ۱۳۵ھ میں اصفہان میں ظاہر ہوا۔ ان ایام میں مسلم ممالک پر خلیفہ سفاح عباسی حکمران تھا۔

اہل سیر نے اس کی دکان آرائی کی جو کیفیت لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اس نے صحف آسمانی، قرآن، تورات، انجیل اور زبور کی تعلیم حاصل کی پھر جمیع علوم رسمیہ کی تکمیل کے بعد زمانۂ دراز تک مختلف زبانیں سیکھتا رہا۔ مختلف قسم کی صناعیوں اور شعبدہ بازیوں میں مہارت پیدا کی اور ہر طرح سے باکمال اور بالغ النظر ہو کر اصفہان آیا۔

اصفہان پہنچ کر ایک عربی مدرسے میں قیام کیا اور دس سال تک کی مدت ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں گزار دی۔ یہاں اس نے اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائے رکھی کہ ہر شخص اسے گونگا یقین کرتا رہا۔ اس مدت میں کسی کو کبھی یہ وہم وگمان نہیں ہوا کہ یہ شخص قوت گویائی سے بہرہ ور ہے یا علامہ دہر اور یکتائے روزگار ہے۔ اسی بنا پر یہ اخرس یعنی گونگے کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ دس سال تک ہمیشہ اشاروں کنایوں سے اظہار مدعا کرتا رہا۔ ہر شخص سے اس کا رابطہ مؤدت قائم تھا۔ کوئی چھوٹا بڑا ایسا نہ ہو گا جو اس کے ساتھ اشاروں کنایوں سے تھوڑا بہت مذاق کر کے تفریح طبع نہ کر لیتا ہو۔

اتنی صبر آزما مدت گزار لینے کے بعد آخر وہ وقت آ گیا جب وہ اپنی مہر سکوت توڑے اور کشور قلوب پر اپنی قابلیت اور نطق و گویائی کا سکہ بٹھائے۔ اس نے نہایت رازداری کے ساتھ ایک نہایت نفیس قسم کا روغن تیار کیا۔ اس روغن میں یہ صفت تھی کہ اگر کوئی شخص اسے چہرے پر مل لے تو اس درجہ حسن و تجلی پیدا ہو کہ شدت انوار سے اس کے نورانی طلعت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا مشکل ہو۔ اسی طرح اس نے خاص قسم کی دو رنگ دار شمعیں بھی تیار کر لیں۔ اس کے بعد ایک رات جب کہ تمام لوگ محو خواب تھے اس نے وہ روغن اپنے چہرے پر ملا اور شمعیں جلا کر سامنے رکھ دیں۔ ان کی روشنی میں ایسی چمک دمک اور رعنائی و دل فریبی پیدا ہوئی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ اب اس نے زور سے چیخنا شروع کیا کہ مدرسے کے تمام مکین جاگ اٹھے۔ اب وہ نماز پڑھنے لگا اور ایسی خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے لگا کہ بڑے بڑے قاری اش اش کر اٹھے۔

جب مدرسے کے معلمین اور طلبہ نے دیکھا کہ گونگا بہ آواز بلند قرأت کر رہا ہے اور قوت گویائی کے ساتھ اسے اعلیٰ درجے کی فضیلت اور فن تجوید کا کمال بھی بخشا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کا چہرہ ایسا درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہر سکتی تو لوگ سخت حیرت زدہ ہوئے۔ اس کا ہر طرف چرچہ ہونے لگا اور شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ لوگ رات کی تاریکی میں جوق در جوق آ رہے تھے۔ خوش اعتقادوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ دن نکلنے پر شہر کے قاضی صاحب چند رؤسائے شہر کو ساتھ لے کر اس "بزرگ ہستی" کا جمال مبارک دیکھنے کے لئے مدرسے میں آئے۔ قاضی صاحب نے نہایت نیاز مندانہ لہجہ میں التماس کی کہ حضور والا! سارا شہر اس قدرت خداوندی پر متحیر ہے اگر حقیقت حال کا چہرہ بے نقاب فرمایا جائے تو بڑی نوازش ہو گی۔

اسحاق جو اس وقت کا پہلے سے منتظر تھا، نہایت ریاکارانہ لہجے میں بولا کہ آج سے کوئی چالیس دن پہلے فیضان الٰہی کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ دن بدن القائے ربانی کا سرچشمہ میرے باطن میں موجزن ہوا حتیٰ کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضل مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ سے پہلے لاکھوں رہروان منزل اس کے تصور سے بھی محروم رہے تھے اور وہ وہ اسرار و حقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا مذہب طریقت میں ممنوع ہے۔

البتہ مختصر اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوض کوثر کا پانی لے کر میرے پاس آئے، مجھے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کہنے لگے:

السلام علیک یانبی اللّٰہ

یہ سن کر گھبرایا کہ واللہ اعلم یہ کیا ابتلا ہے۔ ایک فرشتہ بہ زبان فصیح یوں گویا ہوا:

یانبی اللّٰہ افتح فاک باسم اللّٰہ الازلی۔

(اے اللہ کے نبی بسم اللہ پڑھ کر ذرا منہ تو کھولئے) میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بسم اللہ الازلی کا ورد کرتا رہا۔ فرشتے نے ایک سفید سی چیز میرے منہ میں رکھ دی۔ یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی البتہ اتنا جانتا ہوں کہ شہد سے زیادہ شیریں، کستوری سے زیادہ خوشبودار، برف سے زیادہ ٹھنڈی تھی۔ اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ میری زبان گویا ہوگئی اور میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔

یہ سن کر فرشتوں نے کہا، محمد (ﷺ) کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو۔ میں نے کہا، میرے دوستو! تم یہ کیسی بات کہہ رہے ہو مجھے اس سے سخت حیرت ہے بلکہ میں تو عرق انفعال میں ڈوبا جاتا ہوں۔ فرشتے کہنے لگے، خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کے لئے مبعوث فرمایا

میں نے کہا، باری تعالیٰ نے سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام روحی فداہ کو خاتم الانبیا قرار دیا اور آپ ﷺ کی ذات اقدس پر نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟ کہنے لگے، درست ہے مگر محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری بالتبع اور ظلی ہے"

معلوم ہوتا ہے کہ مرزائیوں نے انقطاع نبوت کے بعد ظلی بروزی نبوت کا ڈھکوسلا اسی اسحاق سے اڑایا ہے ورنہ قرآن وحدیث اور اقوال سلف صالحین میں اس مضحکہ خیز نبوت کا کہیں وجود نہیں۔

اس کے بعد اسحاق نے حاضرین سے بیان کیا کہ جب ملائکہ نے مجھے ظلی نبوت کا منصب تفویض کیا تو میں نے اس سے معذرت کی اور کہا کہ دوستو! میرے لئے تو نبوت کا دعویٰ بہت سی مشکلات میں گھرا ہوا ہے کیونکہ بوجہ معجزہ نہ رکھنے کے کوئی شخص میری تصدیق نہ کرے گا۔ فرشتے کہنے لگے، تمہارے معجزے یہ ہیں جتنی آسمانی کتابیں انبیاء پر نازل ہوئیں تمہیں ان سب کا علم دیا گیا۔ مزید برآں کئی زبانیں اور متعدد رسم الخط تمہیں عطاء کیئے۔ اس کے بعد فرشتے کہنے لگے کہ قرآن پڑھو۔ میں نے قرآن اس ترتیب سے پڑھ کر سنا دیا جس ترتیب سے نازل ہوا تھا۔ پھر انجیل پڑھوائی، وہ بھی سنا دی۔ تورات، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفے پڑھنے کو کہا تو وہ بھی سنا دیئے۔ ملائکہ نے صحف آسمانی کی قرأت سن کر فرمایا:

قم فانذر الناس۔

(اب کمر ہمت باندھ لو اور غضب الٰہی سے ڈراؤ) یہ کہہ کر فرشتے رخصت ہوگئے اور میں جھٹ نماز اور ذکر الٰہی میں مصروف ہوگیا۔

تھوڑی مدت میں اسحاق کی قوت اور جمعیت یہاں تک ترقی کر گئی کہ اس کے دل میں ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی

چنانچہ اس نے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے عمال کو مقہور و مغلوب کر کے بصرہ، عمان اور ان کے توابع پر قبضہ کر لیا۔ یہ معلوم کر کے خلیفہ منصور نے لشکر کشی کا حکم دیا۔ عساکر خلافت یلغار کرتی ہوئی پہنچیں اور رزم و پیکار کا سلسلہ شروع کیا۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ آخر سپاہ خلافت مظفر و منصور ہوئیں اور اسحاق مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پیرو اب تک عمان میں پائے جاتے ہیں۔

**٭ اسرا:** نبی کریم ﷺ کا معراج کے لئے جانا۔ یہ لفظ پندرہویں پارے کی پہلی سورت میں موجود ہے۔ **سبحان الذی اسراء ....**

⇦ معراج۔

**٭ اسفل:** یثرب (مدینہ) کی آبادی کا نام۔ اسفل کی یہ آبادیاں یا بستیاں جوف کے وسط میں نشیبی جگہ پر کم و بیش چار مربع میل علاقے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ قابل ذکر مقامات مرید، شحر، ورخ، مخراف تھے۔ یہاں پر بنی ساعدہ، بلدح، بنی مطویہ، نقیع الخضمات، بنی نجار، راتج، قینقاع، بنی حرم کی بستیاں تھیں۔

اسفل اور عالی (یثرب کی دو مختلف بستیاں) میں سے اسفل کے قبائل نے پہلے اسلام قبول کیا۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنی اسلامی حکومت کے دارالخلافہ کے لئے جو جگہ منتخب کی تھی، اسفل میں واقع تھی۔ چنانچہ اس

جگہ پر اسلام کے اثرات بھی قوی تھے۔

**❁ اسلامی تقویم:** سن ہجری، وہ بارہ مہینوں کا نظام جس کا آغاز ہجرت مدینہ کے یادگار اور تاریخ ساز واقعے سے ہوتا ہے۔ ⟸ ہجری تقویم۔

**❁ اسلم:** صحابی رسول ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کے غلام تھے۔ ان کی کنیت ابورافع تھی اور اسی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ قبطی تھے اور حضرت عباس کے غلام تھے۔ حضرت عباس نے انہیں نبی کریم ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ کو حضرت عباس کے اسلام کی بشارت دی گئی تو آپ ﷺ نے ابورافع کو آزاد کر دیا۔ حضرت اسلم نے غزوۂ بدر سے پہلے اسلام قبول کیا اور حضرت عثمان کی وفات سے چند روز قبل فوت ہوئے۔ جب کہ ایک روایت کے مطابق حضرت علی کے زمانہ خلافت کے اوائل میں فوت ہوئے۔ ان سے ۶۸ حدیثیں مروی ہیں۔

**❁ اسم:** صحابی رسول ﷺ۔ مضرس طائی صحابی کے بیٹے تھے۔ ان کا شمار بصرہ کے اعرابیوں میں ہوتا ہے۔

**❁ اسماء الرجال:** علم الحدیث سے متعلق ایک فن۔ آپ جانتے ہوں گے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے واقعات آپ ﷺ کی وفات کے تقریباً ۱۰۰ سال بعد لکھے گئے۔ ان میں اکثر ماخذ زبانی روایات تھیں۔ ان روایتوں کو پرکھنے کے لئے ہر ایک راوی کے متعلق جانچ پڑتال شروع کی گئی کہ اس کا اخلاق، کردار، حافظہ، علم وغیرہ کس درجے کا ہے۔ اس کے لئے محدثین نے اپنی عمریں صرف کر دیں اور "اسماء الرجال" کا فن وجود میں آیا۔

"اسما" جمع ہے "اسم" کی، جس کے معنی ہیں......نام۔ "رجال" جمع ہے "رجل" کی یعنی مرد۔ اور "رجل" بالغ مرد کو کہتے ہیں۔ علم حدیث میں یہ حدیث کی سند کا علم ہے کہ حدیث کے راویوں کے حالات و سوانح کی کس طرح تحقیق ہو۔ جرمنی کے مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے جنہوں نے حافظ ابن حجر کی کتاب کی تصحیح کی ہے، اس کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح علم اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو کہ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

## عقلی و نقلی دلائل

علم اسماء الرجال کے فن کی بنیاد قرآن مجید نے قائم کی۔ قرآن کریم میں ارشاد مبارک ہے: (ترجمہ) اے ایمان والو! خبر بیان کرنے والوں کو دیکھ لیا کرو کہ کیسا آدمی ہے۔

احادیث نبوی ﷺ کے ساتھ اصولی احتیاط خلفائے راشدین کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ تابعین کے دور میں جب رفض، خروج، ارجا، قدر، اعتزال کے فرقے پیدا ہوئے تو آیت بالا کی بنا پر اس خیال نے مزید زور پکڑا اور اسناد ایک مستقل فن قرار پایا جس کی بیسیوں شاخیں ہیں۔

ایک لطیف اشارہ اہمیت اسناد پر قرآن حکیم میں ہے (منکرین معاد و قرآن کے رد میں اوپر سے یہ سلسلہ چلا آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آسمان و زمین اور کل مخلوقات بنائی۔ کیا سچے دل سے کہا جا سکتا ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا بنا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں! پھر اللہ کے ساتھ معبودان باطل کو کیوں پکارا جاتا ہے، (لہٰذا) اگر تم اپنے دعوائے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلی طور پر مسلم چلا آتا ہے۔

جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو تو آخر اسے کیوں تسلیم کیا جائے۔ ظاہر ہے کسی علمی دعوے کے لئے دلیل و سند ہی اصل شے ہے۔ جتنی مذہبی کتابیں دنیا کی مختلف قوموں کے پاس ہیں ان میں سے ایک کے متعلق بھی تاریخی سند سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جس نبی کی طرف منسوب ہے واقعی اسی نبی کی ہے۔ بلکہ بعض مذہبی کتابیں ایسی ہیں جن کے متعلق سرے سے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس زمانے میں کس نبی پر اتری تھیں۔ مگر قرآن کے متعلق اتنی زبردست تاریخی شہادت موجود ہے کہ کوئی شخص حضرت محمد ﷺ کی طرف اس کی نسبت پر شک کر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ یہی تواتر علمی و قولی ایسا تاریخی

ثبوت اور کھلی ہوئی سند ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی علمی شے کے ثبوت اور قطعیت کی کوئی دلیل اور سند نہیں ہوسکتی۔ پس آیت بالا پر غور کرنے سے صاف طور پر یہ اصول ہاتھ آتا ہے کہ کسی مذہبی دعوے کے لئے یا تو آسمانی کتاب کی سند ہو یا کسی علمی اصول سے ثابت ہو، وہ قرآن کے نزدیک حجت وسند شرعی ہے

یہ تو ہوئی نقلی دلیل........اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب کسی بات کی نسبت کسی کی طرف کی جاتی ہے تو سب سے پہلے یہ سوال عقلی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس پر کیا ثبوت ہے کہ یہ فلاں کا کلام ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ میں نے خود سنا ہے یا دیکھا ہے کہ فلاں نے مجھ سے بیان کیا ہے یا دیکھا ہے۔اگر یہ سلسلہ اس آدمی تک متصل ہے تو بات صاف ہے۔ بہر حال اسی اصول کے ماتحت آسمانی کتابیں، سنن و آثار نبوی، لغت و اشاعت فقہ و اصول حتیٰ کہ آئمہ کے مذاہب اور تصوف کے سلاسل سنداً روایت ہونا شروع ہوئے۔ اور یہ سلسلہ اتنا زبردست اور محکم ثابت ہوا جس کی معقولیت اور ناقابل انکار مقبولیت نے مخالفین کی زبانوں پر مہر سکوت لگادی۔ غور کیجئے کہ پیغمبر نے ایک بات کہی یا کوئی کام کیا، اگر وہ بات اور فعل اس طریقے پر روایت ہوا اور ذرہ برابر اس کے اندر تغیر و تبدل نہیں ہوا تو ظاہر ہے کہ حق و صداقت اور روحانیت کے اثرات اور اس کی برکات ہیں۔ پھر کسی کو کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر علم اپنے اندر ایک خاص کیفیت اور اثر رکھتا ہے جس کی مزاولت و ممارست سے آدمی نیک و بد اور بات کے صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔ فن حدیث میں سند ایسا علم ہے کہ صرف اسی کے ذریعے ہر دینی کام کی نسبت پیغمبر تک صحیح طور پر معلوم کی جاسکتی ہے اور اس وجہ سے گویا آدمی کے اندر معنی صحابیت کا شرف پیدا ہوجاتا ہے، کیونکہ معنی صحابیت نام ہے....... اطلاع بر جزئیات احوال رسول و مشاہدۂ اوضاع و کیفیات کا، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا عادات سے۔ اور یہ بغیر سند کے قابل اعتبار نہیں۔ سند کے عالی اور نازل ہونے کے سیکڑوں واقعات کتب رجال و طبقات میں موجود ہیں جو غیر معمولی احتیاط پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو خلفائے بنی امیہ میں بڑے رتبے کے بزرگ ہیں اور جن کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے، ایک روز نماز عصر میں دیر کردی۔ عروہ بن مسعود تابعی نے ٹوکا اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھنا اور جبریل کا ابتدائی و انتہائی اوقات نماز کا بتانا، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو بتایا۔ حضرت عمر کو تعجب ہوا اور کہا: اعلم ما تقول یا عروہ (دیکھو عروہ کیا کہہ رہے ہو)

حضرت عروہ نے فوراً اپنی بیان کردہ روایت کی سند پڑھ کر ساکت کردیا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کوفہ میں ایک روز نماز میں دیر کر دی تو ابو مسعود انصاری نے ٹوک دیا اور کہا کہ مغیرہ یہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ حضرت جبریل نے دو روز آکر آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھ کر نماز کی ابتدا و انتہا کو بیان کردیا۔

بہرکیف یہ شہادتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ اسناد ہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس کے ذریعے صحیح و غلط اور خبر و روایت کو پرکھنے اور جانچنے کا اصول ہاتھ آتا ہے۔ المختصر ہر فن میں فن والے کی رائے اور اس کی تحقیق و تشریح ہی حجت وسند ہے۔ چنانچہ کوئی وجہ نہیں کہ سنن و آثار نبوی ﷺ کے معیار کو معلوم کرنے کے لئے سند کو اصل الاصول نہ قرار دیا جائے۔

## اصول روایت

محدثین نے حدیث کی سند کو جانچنے کے لئے حسب ذیل اصول وضع کئے ہیں جو "اصول روایت" کہلاتے ہیں:

1. راوی کس حد تک قابل اعتماد یا قابل رد ہے۔ یہ ایک مستقل فن ہے جسے "جرح و تعدیل" کہا جاتا ہے۔
2. حدیث کے کتنے طریقے ہیں اور راویوں کی تعداد کیا ہے۔ یہ بحث احادیث کو چار قسموں میں تقسیم کرتی ہے: متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔
3. کیا حدیث صراحت سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے یا نہیں۔ اس اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں: مرفوع، موقوف اور مقطوع۔
4. کیا حدیث کی سند متصل ہے؟

### اخذ حدیث کے آٹھ طریقے

یعنی حدیث کو حاصل کرنے کی کتنی صورتیں ہیں اور ان کے مطابق بعد میں کن الفاظ سے ان کو اپنے شاگرد اور استفادہ کرنے والوں کے سامنے بیان کیا جائے۔ محدثین نے اس سلسلے میں آٹھ صورتیں ذکر کی ہیں:

① استاد کی زبان سے سننا ② استاد کے سامنے پڑھنا ③ اجازت ④ مناولت ⑤ کتابت ⑥ اعلام یا اعلان عام ⑦ وصیت ⑧ وجادت۔

محدثین نے اس ضمن میں سعی و جہد کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ فن حدیث کے ماہرین نے روایان حدیث کو ٹٹولا۔ ان کی حیات، ان کی سیرت اور تاریخ کا مطالعہ کیا۔ ان کے ظاہری و باطنی امور کا بخوبی جائزہ لیا۔ اس راہ میں نہ کسی ملامت کی پروا کی، نہ کسی کا خوف دامن گیر ہوا۔ نہ راویوں پر جرح و تعدیل کرتے ہوئے ان کا تقویٰ و بزرگی مانع ہوئے۔ ایک مرتبہ مشہور محدث یحییٰ بن سعید القطان سے پوچھ گیا کہ "جن لوگوں سے آپ حدیث روایت نہیں کرتے، کیا وہ خدا کی بارگاہ میں آپ سے مزاحم نہیں ہوں گے؟"

یحییٰ بن سعید نے جواب میں کہا "بارگاہ ربانی میں ان لوگوں کا مزاحم ہونا میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ خود نبی کریم ﷺ میرے مد مقابل ہوں اور مجھ سے دریافت فرمائیں کہ تم نے میری احادیث کو جھوٹ کی آمیزش سے کیوں نہ بچایا۔"

فن اسماء الرجال کے ماہرین نے تحقیق و مشاہدے کے بعد جس شخص کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا نہایت دلیری کے ساتھ لکھ دیا۔ ہر شخص کے عیوب اور ہر شخص کے اوصاف بیان کر دئے۔ اس صورت میں راہ فیصلہ صاف ہے۔ دیکھنے والوں نے اصول جرح و تعدیل اور جرح و تعدیل کرنے والوں کے وزن سے اندازہ کر لیا کہ اس شخص کی بات کس درجے لائق قبول یا لائق رد ہے۔ آئمہ فن نے جرح و تعدیل میں چھوٹے چھوٹے امور کو بھی نظر انداز نہیں کیا، سوائے انبیائے کرام کے۔ ایسا کون شخص ہو سکتا ہے جس میں کچھ کمزوری نہ ہو یا جس میں تمام محاسن و خوبیاں موجود ہوں یا جس کی ہر بات ہر فرد کو محبوب ہو۔ اس طرح جرح سے کوئی بڑے سے بڑا امام بھی نہ بچ سکا۔ آئمہ پر جرح کرنے والوں کا مقصد ان کی تذلیل نہ تھا بلکہ ان امور کا اظہار اس لئے ضروری تھا کہ کل کو یہ خیال پیدا نہ ہو جائے کہ رسول کریم ﷺ کے سوا اور بھی معصوم انسان ہیں یا یہ کہ ان لوگوں کی دانستہ عیب پوشی کی گئی ہے۔ چنانچہ اس جرح و تعدیل کے بعد جو نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ یقیناً صحیح ہوتا ہے۔ ⇐ جرح و تعدیل + حدیث + سند + سنن۔

**٭ اسما بنت ابی بکر:** حضرت ابوبکر صدیق کی بڑی صاحبزادی اور عبداللہ بن زبیر کی والدہ۔ ہجرت سے ۲۷ سال پہلے قتیلہ بنت عبدالعزیٰ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ ذات النطاقین ان کا لقب تھا۔ حضرت اسما سے ساٹھ کے قریب احادیث روایت کی جاتی ہیں۔ حضرت اسما کی شادی زبیر بن عوام سے ہوئی تھی۔ ہجرت کے بعد آپؓ نے پہلے قبا میں قیام کیا۔ یہاں عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ یہ پہلے بچے تھے جو کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ اس کے بعد حضرت اسما کے ہاں کئی اور بیٹے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ آخری عمر میں غالباً حضرت زبیر نے ان کو ان کی تیز مزاجی کی وجہ سے طلاق دے دی تو یہ اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے گھر چلی گئیں۔ واقعہ جمل میں ابن جرموز کے ہاتھوں حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہو گئے۔ ان کی لاش تین دن تک سولی پر لٹکتی رہی اور حضرت اسما بڑے تحمل سے اس منظر کو دیکھتی رہیں، لیکن بیٹے کی موت کے چند روز کے بعد سو سال کی عمر میں جمادی الاولیٰ ۷۳ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ⇐ ابوبکر صدیق + صدیق اکبر۔

**٭ اسما بنت عمیس:** صحابیہ جو اوائل اسلام ہی میں مسلمان ہو گئیں تھیں۔ حضرت جعفر کے نکاح میں آئیں۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور فتح خیبر کے بعد مدینہ آ گئیں۔ ۸ھ میں حضرت جعفر کی شہادت کے چھ ماہ بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابوبکر کی میت کو انہوں نے ہی غسل دیا۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت علی سے نکاح کیا۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

**٭ اسماعیل علیہ السلام:** اللہ کے پیغمبر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند اور محمد (ﷺ) کے جد امجد۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں (قطورا، سارہ، ہاجرہ) سے آٹھ بیٹے ہوئے جن سے نہایت عظیم الشان خاندان اور قومیں پیدا ہوئیں اور بڑے بڑے اولوالعزم انبیا کرام نے ظہور کیا۔ حضرت قطورا کے بطن سے حضرت ابراہیم کے چھے لڑکے پیدا ہوئے: زمران، یقسان، مدان، مدیان، اسباق اور سوخ ان کے نام تھے۔ بنی قطورا میں اہل مدین اور اصحاب الایکہ آتے ہیں جن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

حضرت سارہ سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاق کے دو بیٹے: عیسو جن کا لقب "ادوم" تھا، اور حضرت یعقوب جن کا لقب "اسرائیل" تھا۔ ان سے دو زبردست قبیلوں بنی ادوم اور بنی اسرائیل کی ابتدا ہوئی۔ بنی ادوم میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ جبکہ بنی اسرائیل میں کئی بڑے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوئے۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ۔

حضرت ابراہیم جب مصر سے فلسطین (شام) لوٹے تو ان کی تیسری بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل ہوئے۔ ان سے تاریخ میں انباط (اصحاب الحجر) قیدار اور قریش کے شان دار قبیلے وجود میں آئے اور انہی کی نسل میں خاتم الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے نزول فرمایا۔

معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ اسماعیل "اسمع" اور "ایل" دو لفظوں کا مرکب ہے۔ عبرانی میں "ایل" اللہ کے مترادف ہے اور عربی کے اسمع اور عبرانی کے شماع کے معنی ہیں "سن۔" چونکہ اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سن لی اور حضرت ہاجرہ کو اس سلسلے میں بشارت ملی، اس لئے انہوں نے آپ علیہ السلام کا نام اسماعیل رکھا۔ عبرانی میں اسماعیل کا تلفظ "شماع ایل" ہے۔

حضرت اسماعیل کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس تھی۔ حضرت اسماعیل کا بچپن اپنے والد بزرگوار ہی کی صحبت میں کنعان میں گزرا۔ قربانی کا واقعہ بھی غالباً یہیں پیش آیا۔ قرآن مجید میں ہے:

(ترجمہ) لڑکا جب اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑے۔ باپ نے کہا، فرزند من! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ دیکھو، تم کیا سمجھتے ہو۔ بیٹے نے کہا، میرے باپ! جو حکم دیا گیا ہے، کر گزرئیے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ (صافات: ۱۰۲)

اللہ کے خلیل نے اپنے اس جگر گوشے کو جو مدتوں تمناؤں اور بڑھاپے کی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا، اللہ کے حکم پر خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالنے کے لئے ماتھے کے بل لٹا دیا اور چھری لے کر بیٹھ گئے۔ کیسی عجیب آزمائش تھی، کتنا رفیع مقام تھا۔ بیٹے کی سعادت اور رشد و ہدایت کی کس قدر بلند منزل تھی .... لیکن اللہ اللہ .... ادھر حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کی گردن پر چھری چلا کر فارغ ہوئے، ادھر بارگاہ الٰہی سے حضرت اسماعیل کی جگہ ایک دنبہ ذبح پڑا تھا۔ اس آزمائش کے متعلق حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا، بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔

قربانی کا یہ واقعہ حضرت اسحاق کی ولادت سے پہلے کا ہے اور اس وقت حضرت ابراہیم کی اولاد میں صرف حضرت اسماعیل ہی موجود تھے۔ حضرت اسماعیل جب تیرہ برس کے ہوئے تو حضرت اسحاق پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کو لے کر حجاز کی طرف ہجرت کر گئے اور جہاں ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے مل کر کعبہ کی بنیاد رکھی اور مکہ کو آباد کیا۔

اگرچہ حضرت اسماعیل کی ولادت سے حضرت ابراہیم بے حد شاداں و فرحاں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے خلیل حضرت ابراہیم کی ابھی ایک اور آزمائش منظور تھی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا کہ اے ابراہیم! جاؤ اپنے لخت جگر اسماعیل کو مع ان کی والدہ بی بی ہاجرہ کے عرب کے ریگستان میں کسی بے آب و گیاہ مقام پر یک و تنہا چھوڑ آؤ۔ اس حکم کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ حضرت اسماعیل کی پیدائش حضرت سارہ پر بے حد شاق گزری تھی اور وہ حضرت ہاجرہ کو خواہ مخواہ تنگ کر رہی تھیں۔ یہ بشری تقاضے کے عین مطابق تھا اور خداوند قدوس کو اپنے اولوالعزم پیغمبر کو اسی ذیل میں ایک اور آزمائش میں ڈالنا تھا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے جو روایت منقول ہے اس

روایت کا مضمون یہ ہے:

"ابراہیم (علیہ السلام) ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچے اسماعیل کو لے کر چلے اور جہاں آج کعبہ ہے اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصے پر ان کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا بھی نام ونشان نہ تھا، اس لئے ابراہیم نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑ دیں اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہوگئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں، اے ابراہیم! تم ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دئے جہاں آدمی ہے، نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس وغمخوار۔ ہاجرہ برابر یہ کہتی جاتی تھیں، مگر ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جارہے تھے۔ آخر ہاجرہ نے دریافت کیا، کیا خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے۔ تب حضرت ابراہیم نے فرمایا، ہاں! یہ خدا کے حکم سے ہے۔ حضرت ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں، اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا۔ اور پھر وہیں سے لوٹ آئیں۔ حضرت ابراہیم چلتے چلتے جب ایک ٹیلے پر ایسی جگہ پہنچے کہ ان کے اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہوگئے تو اس جگہ جہاں کعبہ ہے، رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی: اے ہم سب کے پروردگار! تو دیکھ رہا ہے کہ ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں، میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزاران توحید سے خالی نہ رہے۔ پس تو اپنے فضل وکرم سے ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوجائیں۔ اور ان کے لئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ تیرے گھر شکر گزار ہوں۔" (سورۂ ابراہیم)

حضرت ہاجرہ چند روز تک مشکیزے سے پانی اور تھیلی سے کھجوریں کھاتی اور حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں، لیکن وہ وقت بھی آگیا کہ پانی نہ رہا اور کھجوریں بھی ختم ہوگئیں۔ تب وہ سخت پریشان ہوئیں۔ چونکہ بھوکی پیاسی تھیں، اس لئے دودھ بھی نہ اترتا تھا لہٰذا حضرت اسماعیل بھی بھوکے پیاسے تھے۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی تو حضرت اسماعیل بے تاب ہونے اور تڑپنے لگے۔ حضرت ہاجرہ ان کے لئے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑیں۔ صفا کی پہاڑی پر گئیں۔ پھر مروہ پر چڑھ گئیں، مگر نہ کوئی بندہ نظر آیا اور نہ کہیں پانی کا نام ونشان ملا۔ اس طرح حضرت ہاجرہ نے سات چکر لگائے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس دوران جبریل علیہ السلام آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جگہ جہاں حضرت اسماعیل ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بلک رہے تھے، وہاں پانی کا ایک چشمہ ابل رہا تھا۔ اس چشمے کا پانی آج "آب زمزم" (⇦ آب زم زم) کہلاتا ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہ کی دوڑ کو ایک مثالی عمل قرار دے دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج کا ایک لازمی رکن بنا دیا گیا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ خوف اور غم نہ کیجئے، اللہ تعالیٰ اس بچے (اسماعیل علیہ السلام) کو ضائع نہیں کریں گے۔ یہ مقام بیت اللہ ہے جس کی تعمیر اس بچے اور اس کے باپ حضرت ابراہیم کے ہاتھوں مقدر ہو چکی ہے۔

اسی دوران بنی جرہم کا ایک قبیلہ اس وادی کے قریب آکر ٹھہرا جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل موجود تھے۔ دیکھا تو تھوڑے فاصلے پر پرندے اڑتے نظر آئے۔ جرہم نے کہا کہ یہ پانی کی علامت ہے۔ پانی دیکھ کر بنی جرہم نے بھی حضرت ہاجرہ سے یہاں قیام کی اجازت مانگی۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا، قیام کر سکتے ہو لیکن پانی میں ملکیت کے حصے دار نہیں ہوسکتے۔ جرہم نے بخوشی یہ شرط منظور کر لی اور وہیں مقیم ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ خود بھی باہمی انس ورفاقت کے لئے چاہتی تھیں کہ کوئی یہاں آکر مقیم ہو، اس لئے انہوں نے مسرت کے ساتھ بنی جرہم کو یہاں قیام کی اجازت دے دی۔ جرہم نے آدمی بھیج کر اپنے باقی ماندہ اہل خاندان کو بھی یہاں بلا لیا اور وہ لوگ مکانات بنا کر رہنے لگے۔ انہی میں حضرت اسماعیل بھی رہے، کھیلے، ان کی زبان سیکھی۔ بنی جرہم کا خاندان آپؑ کے حسن اخلاق اور حسن سیرت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے ہی خاندان میں ان کی شادی کر دی۔ اس کے کچھ عرصے بعد حضرت ہاجرہ کا انتقال ہوگیا۔ ادھر حضرت ابراہیم برابر اپنے اہل و عیال کو دیکھنے آتے رہے۔

حضرت اسمٰعیل، حضور سرور کونین ﷺ کے جد اعلیٰ ہیں۔ آپؑ

حضور ﷺ سے کم و بیش ۲۷۰۰ برس پہلے پیدا ہوئے۔ تورات کا بیان ہے کہ حضرت اسماعیل نے ۱۳۷ سال کی عمر پائی۔ سرچارلس مارلٹن کی تحقیق کے مطابق آپؑ کی تاریخ پیدائش ۲۰۷۴ ق م اور تاریخ وفات ۱۹۳۷ ق م ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے وقت آپؑ ۸۹ سال کے تھے۔ آپ کے یہاں بارہ بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں: قیدار، ادبیل، مشماع، بشام، رومہ، مساحرا، بطور، نافص، قدما، بنابوت اور تیما۔

آپ علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں متعدد بار ہوا ہے۔

**✽ اسناد:** علم حدیث کی اصطلاح۔ حدیث کے راویوں کا سلسلہ جس میں راوی یہ بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ حدیث فلاں صاحب سے سنی اور انہوں نے فلاں سے سنی۔ اس طرح سے یہ سلسلہ چلتا چلتا نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اسناد سے ہی حدیث کے غیر مشتبہ یا غیر مستند ہونے کا پتا چلتا ہے۔ اسناد کی دو قسمیں ہیں: ایک سند متصل جو مسلسل نبی کریم ﷺ تک پہنچ جائے، دوسرے سند منقطع جس میں کسی جگہ کوئی راوی چھوٹ جائے۔ ⇦ اسماء الرجال + حدیث + سند + سنن۔

**✽ اسود، حجر:** حجر اسود۔ خانہ کعبہ میں لگا ہوا مقدس پتھر جسے دوران طواف حاجی صاحبان بوسہ دیتے ہیں۔ دور جاہلیت میں بھی یہ پتھر تقدس اور روحانیت کی علامت تھا۔ ⇦ حجر اسود۔

**✽ اسود بن عبد یغوث:** کفار قریش کے اکابرین میں سے ایک۔

**✽ اسود بن کعب عنسی:** مدعی نبوت جس نے دور نبوی ﷺ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا۔

اسود نے حضور سید کون و مکان علیہ التحیۃ والسلام کے آخری ایام میں یمن میں دعوائے نبوت کیا۔ اہل نجار اور قبیلہ مذحج نے اس کی متابعت اختیار کی۔ اسود کا قبیلہ عنس قبیلہ مذحج ہی کی ایک شاخ تھا۔ جب اسود کی جمعیت بڑھی تو اس نے تھوڑے ہی دنوں میں پہلے نجران پر اور یمن کے اکثر دوسرے حصوں پر قبضہ کر لیا۔ انجام کار یمن کے دار الحکومت صنعا کا رخ کیا۔ وہاں کے عامل شہر بن باذانؓ نے اس کا مقابلہ کیا لیکن مغلوب ہوئے اور شہادت پائی۔ جب آنحضرت ﷺ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے مسلمانان یمن کو لکھ بھیجا کہ جس طرح بن پڑے اسودی فتنے کا استیصال کریں۔

اہل یمن اس فرمان سے بڑے قوی دل ہوئے اور یمن کے مختلف علاقوں میں در پردہ حربی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن دار الحکومت صنعا کے مسلمان اسود کے مقابلے میں اپنی حربی کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے مصلحت و صوابدید اس میں دیکھی کہ عسکری اجتماع کے بجائے مخفی سرگرمیوں سے اس کی جان لیں۔ اسود نے شہر بن باذانؓ کے واقعہ شہادت کے بعد ان کی بیوی آزاد کو جبراً گھر میں ڈال لیا تھا۔ آزاد کے عم زاد بھائی حضرت فیروز دیلمیؓ (جو شاہ حبشہ کے خواہر زادہ تھے) آزاد کو اسود کے پنجہ بیداد سے آزاد کرانے کے لئے سخت فکر مند تھے۔

مسلمانوں نے آزاد کو اپنا راز دار بنایا اور اس کے مشورے کے مطابق ایک رات چند مسلمان نقب لگا کر اسود کے محل میں گھس گئے۔ فیروز دیلمی نے جو ایک قوی الجثہ جوان تھے اچانک اسود کی گردن اور منڈی جا پکڑی اور بڑی پھرتی سے مروڑ کر اس کی گردن توڑ دی اور اسے آناً فاناً بستر ہلاکت پر ڈال دیا۔

اسود کی ہلاکت کے بعد اہل ایمان نے اس کے پیروؤں اور ہوا خواہوں کو مغلوب کر کے چند ہی روز میں یمن کی حکومت بحال کر لی۔ شہر بن باذانؓ کی جگہ حضرت معاذ بن جبل انصاریؓ صنعا کے حاکم قرار پائے۔ سید دو جہاں ﷺ نے وحی الٰہی سے اطلاع پا کر فرمایا تھا کہ اسود فلاں رات اور فلاں وقت مارا جائے گا۔ چنانچہ جس وقت وہ قصر عدم میں پہنچا اس صبح کو مخبر صادق ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج رات اسود مارا گیا۔ صحابہؓ عرض پیرا ہوئے، یا رسول اللہ! کس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا؟ فرمایا، ایک مسلمان کے ہاتھ سے جو ایک بابرکت خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ پوچھا گیا کہ اس کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا فیروز دیلمی۔

چند روز بعد جب یمن کا قاصد اسود کے مارے جانے اور اسلامی

فرمانروائی کے بحال ہونے کی خبر لے کر مدینۃ الرسول پہنچا تو اس وقت حضرت سرور عالم و عالیان علیہ الصلوٰۃ والسلام انتقال فرما چکے تھے اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت کو اپنے مبارک قدموں سے زینت بخشی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے عہد خلافت میں سب سے پہلے جو بشارت ملی وہ اسود ہی کے قتل کا مژدہ تھا۔

*** اسود بن مطلب:** کفار قریش کے اکابرین میں سے ایک۔ ← قریش + مکہ۔

*** اسوۂ رسول اکرم ﷺ:** حضرت عارف باللہ مولانا ڈاکٹر عبدالحیؒ کی مشہور و معروف تصنیف۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے نبی کریم ﷺ کی عادات و خصائل سے متعلق مختلف احادیث کو مختلف الابواب میں جمع کر دیا ہے۔ شمائل ترمذی کے برخلاف انہوں نے کسی قسم کی تشریح یا تبصرہ نہیں کیا۔

*** اسید بن حضیر:** صحابی رسول ﷺ۔ حضیر انصاری کے بیٹے تھے۔ حضیر الکتائب (بن سماک بن عتیک بن رافع بن امرؤ القیس بن زید بن عبدالاشہل) قبیلہ اوس کا سپہ سالار تھا۔ جنگ بعاث (← بعاث، جنگ) میں مارا گیا۔ حضرت ابویحییٰ اسید بن حضیر ان افراد میں سے ہیں جو بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر موجود تھے اور عقبہ والی رات میں یہ نقیب تھے۔ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ۲۰ھ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان سے اٹھارہ احادیث روایت کی جاتی ہیں۔

*** اسیر بن رزام:** خیبر کے یہودیوں کا رئیس اعظم۔ یہ شخص ابورافع سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے بعد مسند ریاست پر بیٹھا۔ ← سلام بن ابی الحقیق۔

## اش

*** اشج:** صحابی رسول۔ اصل نام منذر تھا۔ العائذ العصری العبدی کے بیٹے تھے۔ اپنی قوم کے سردار تھے۔ وفد عبدالقیس میں شامل ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔

*** اشعث بن قیس:** نبی کریم ﷺ کے دور کا ایک شخص۔ اس کا نام ابومحمد معدی کرب بن قیس تھا۔ حضرموت کے کندہ کا سردار تھا۔ یہ شخص ۱۰ھ (۶۳۱ء) میں ایک وفد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد باغی ہو گیا۔ اسلامی فوج نے قلعہ البخیر میں اس کا محاصرہ کر کے اسے گرفتار کیا اور مدینہ میں حضرت ابوبکر صدیق کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ابوبکر نے اسے نہ صرف معاف کیا بلکہ اپنی بہن قریبہ کی شادی بھی اس سے کی۔ بعد ازاں وہ شام اور عراق کی مہموں میں شریک ہوا۔ شمالی عراق فتح ہونے کے بعد وہ کوفہ میں مقیم ہو گیا۔ شیعی روایات کے مطابق اسے پکا غدار کہا گیا ہے، کیونکہ اس نے جنگ صفین میں حصہ لیا اور صلح کی بات چیت میں حضرت علی کو اصول تحکیم منظور کرنے اور عراق کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری کو حاکم مقرر کرنے پر اصرار کیا تھا۔ اشعث بن قیس نے حضرت حسن کے دور میں وفات پائی۔

*** اشعری، ابوعامر:** صحابی رسول ﷺ۔ فتح مکہ و غزوۂ حنین کے مواقع پر آنحضور ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ غزوۂ حنین میں نبی کریم ﷺ نے قبیلہ ہوازن کے مشرکین کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ انہوں نے اس دوران ۹ افراد کو تہ تیغ کر دیا، لیکن آخر کار کافروں کے نرغے میں آکر شدید زخمی ہو گئے۔ شہادت سے قبل انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو اپنا قائم مقام بنایا اور وصیت کی کہ ان کا گھوڑا اور ہتھیار آنحضور ﷺ کے حوالے کر دیئے جائیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے ان کی یہ وصیت پوری کی۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ چیزیں لے کر حضرت ابوعامر کے بیٹے کے حوالے کر دیں اور دعا کی کہ اے اللہ! ابوعامر کی مغفرت فرمایا اور انہیں جنت میں میری اُمت کے بلند ترین لوگوں میں شامل کر۔

*** اشعری، ابوموسیٰ:** صحابی رسول ﷺ۔ پورا نام عبداللہ بن قیس الاشعری تھا۔ ہجرت سے چھے سات سال پہلے یمن

میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کے قبیلہ والے غزوۂ خیبر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ ۱۰ھ میں حضرت معاذ بن جبل کے ساتھ یمن میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجے گئے اور پھر یہیں کے عامل مقرر ہوئے۔ ۱۷ھ میں حضرت عمر نے ان کو بصرہ کا اور ۲۲ھ میں کوفہ کا عامل مقرر کیا۔ مگر مغیرہ کی بحالی کے بعد انہیں دوبارہ بصرہ بھیج دیا گیا۔ یہاں سے انہوں نے خوزستان فتح کیا اور الجزیرہ کی تخسیر میں بھی حصہ لیا۔ حضرت عثمان کے دور میں کچھ مخالفتوں کی بنا پر انہیں کوفہ کا والی مقرر کر دیا گیا۔ جنگ جمل میں غیر جانب دار رہے۔ بعد ازاں حضرت علی کی طرف سے انہیں ثالث مقرر کیا گیا۔ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت علی کے حق میں فیصلہ دیا اور مکہ چلے گئے۔ جب حضرت امیر معاویہ نے بسر کو مکہ پر قبضے کے لئے بھیجا تو وہ مکہ سے کوفہ چلے گئے۔ ۴۱ھ سے ۵۰ھ کے درمیان ان کا انتقال ہوا۔

## اص

**اصحاب رسول:** وہ مسلمان جنہیں براہ راست نبی کریم ﷺ سے اسلامی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا یا جنہوں نے مسلمان ہونے کے بعد آنحضور ﷺ کی زیارت کی۔ انہیں صحابہ بھی کہتے ہیں۔ ⇐ صحابی۔

**اصحاب بدر:** غزوۂ بدر میں حصہ لینے والے صحابہ کرام۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر سورۂ آل عمران (آیت ۱۲۳)، سورۂ انفال (آیات ۷ تا ۱۲، ۱۷، ۲۵، ۴۱، ۴۲)، سورۂ توبہ (آیت ۱۰۰) سورۂ دخان (آیت ۱۶)، سورۂ قمر (آیت ۴۵) اور سورۂ حدید (آیت ۱۰) میں آیا ہے۔

اصحاب بدر کا درجہ دیگر صحابہ کرام سے بلند ہے۔ صحیح بخاری میں رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل آئے اور پوچھا کہ آپ ﷺ اہل بدر کو مسلمانوں میں کیسا سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، سب مسلمانوں سے افضل! حضرت جبرئیل نے بتایا کہ جو فرشتے بدر میں حاضر ہوئے ان کا درجہ بھی ملائکہ میں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا کہ اب تم جو چاہو کرو، میں تمہیں بخش چکا ہوں۔ چنانچہ اصحاب بدر کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں۔ ⇐ بدر، غزوہ+بدری۔

**اصحاب صفہ:** وہ صحابہ کرام جو مسجد نبوی سے متصل چبوترے صفہ پر بیٹھ کر دین کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ صحابہ کرام، اصحاب صفہ یعنی چبوترے والے مشہور ہوگئے۔ ⇐ صفہ، اصحاب۔

**اصحمہ:** حبش کا بادشاہ نجاشی۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس کے زمانے میں صحابہ کرام کی ایک جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور حضرت جعفر نے اس کے سامنے تاریخی تقریر کی تھی اور اس نے اسلام بھی قبول کیا تھا۔ ⇐ نجاشی+ہجرت حبشہ۔

## اط

**اطاعت رسول:** رسول ﷺ کی اطاعت۔

**اطراف:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ "اطراف" یا "الاطراف" وہ کتب حدیث ہیں جن میں احادیث کے صرف اول و آخر الفاظ ذکر کئے گئے ہوں جن سے پوری حدیث کو پہچانا جا سکے اور آخر میں اس حدیث کا حوالہ ذکر کر دیا گیا ہو کہ فلاں فلاں کتب حدیث سے یہ احادیث لی گئی ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایک شخص کو کسی حدیث کے اول یا آخر الفاظ تو یاد ہوتے ہیں، لیکن پوری حدیث ذہن میں ہوتی ہے اور نہ اس کی اسنادی حیثیت کا علم ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اطراف کی کتب خوب کام دیتی ہیں۔

اس موضوع پر سب سے پہلے حافظ ابن عساکرؒ دمشقی نے کتاب لکھی جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا نام "الاشراف فی معرفۃ

الاطراف" ہے جس میں حافظ ابن عسا کرنے ابوداؤد، نسائی، ترمذی کے اطراف ذکر کئے ہیں۔ اس کتاب کو انہوں نے حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ اب یہ کتاب نایاب ہے۔ ان کے بعد حافظ عبدالغنی مقدسی نے "اطراف الکتب الستہ" تحریر فرمائی۔ آج کل اس نوع کی سب سے زیادہ متداول کتاب حافظ مزیؒ کی "تحفۃ الاشراف فی معرفۃ الاطراف" ہے۔

## اع

*** اعلان حرم:** وہ اعلان (ڈکلریشن) جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جاری کیا۔ اعلان حرم کے تحت مدینہ اور اس کے آس پاس کی آبادیوں کو امن و امان کا احساس ہوا۔ اس اعلان کے بعد مسلم اور غیر مسلم سب اس اعلان کی شقوں کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے لگے۔ اس اعلان کی وجہ سے مدینہ کے مکین آپ ﷺ کی سیادت قبول کرنے پر تیار ہوگئے اور مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا رعب بھی لوگوں پر بیٹھا۔

⇦ میثاق مدینہ + ہجرت نبوی + مدینہ۔

## اغ

*** اغر مازنی:** صحابی رسول ﷺ۔ اہل کوفہ میں سے تھے۔ مازنی ان کے والد کا نام تھا۔ کئی احادیث ان سے روایت کی گئیں۔

## اف

*** افراد و غرائب:** علم حدیث کی ایک اصطلاح۔ "الافراد و الغرائب" ان کتب حدیث کو کہتے ہیں جن میں کسی ایک شخص کے تفردات کو جمع کیا گیا ہو۔

*** افک:** تہمت، بہتان۔ اصطلاح میں ایک واقعہ جس میں حضرت عائشہ پر ایک بہتان لگایا گیا۔ اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عائشہ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ غزوہ سے واپسی پر سب لوگ ابھی مدینہ سے ایک منزل دور تھے اور رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ اسی اثنا میں حضرت عائشہ اٹھ کر رفع حاجت کے لئے چلی گئیں۔ ان کے گلے میں ایک ہار تھا جو انہوں نے حضرت اسما سے لے کر پہنا تھا، وہ واپسی پر کہیں گر پڑا۔ چنانچہ جب حضرت عائشہ کو اس ہار کی گمشدگی کا علم ہوا تو انہیں بہت صدمہ ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ ابھی تو قافلے والوں کی روانگی میں کچھ وقت ہے، اس ہار کو تلاش کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ تن تنہا اس ہار کی تلاش میں آگے نکل گئیں، لیکن ان کے آنے تک مسلمانوں کا قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ کوچ کے وقت حضرت عائشہ ہودے میں بیٹھ جاتیں اور چار آدمی اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ چونکہ آپؓ جسمانی طور پر ہلکی پھلکی تھیں، اس لئے کسی کو یہ محسوس نہ ہوا کہ آپؓ ہودے میں نہیں ہیں۔ جب آپؓ پلٹیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ آخر آپؓ اس امید پر چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں کہ کوئی نہ کوئی تو ڈھونڈنے آئے گا۔

کچھ دیر کے بعد وہاں سے صفوان بن معطل سلمی (ایک صحابی جن کی ڈیوٹی تھی کہ وہ قافلے کے پیچھے پیچھے چلیں گے اور اس کی گری پڑی چیزوں کی حفاظت کریں گے) وہاں پہنچے اور اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حضرت صفوان نے اپنا اونٹ حضرت عائشہ کو پیش کر دیا۔ حضرت عائشہ اس پر سوار ہوگئیں اور حضرت صفوان پا پیادہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہوگئے۔ دوپہر کے وقت آپؓ لشکر میں پہنچ گئیں۔ اس پر بہتان اٹھانے والوں نے بہتان اٹھائے۔ ان میں عبداللہ بن ابی پیش پیش تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ بہتان طرازی اسی کے دماغ کی شیطانی اور شرارت تھی۔ تاہم بعد میں حضرت ابوبکر صدیق کی خالہ زاد بہن کے بیٹے مسطح نے بھی اس بات کو خوب ہوا دی۔ حسان بن ثابت، حمنہ بنت جحش اور دیگر چند مسلمان بھی اس چکر میں آگئے۔

آنحضور ﷺ تک جب یہ تمام باتیں پہنچیں تو آپ ﷺ سخت ذہنی اور نفسیاتی اذیت میں مبتلا ہوئے۔ یہ صورت حال کسی شخص کو بھی پیش آتی تو اس کے لئے ناقابل برداشت ہوتی اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا، لیکن حضور ﷺ نے انتہائی رحم دلی کا مظاہرہ کیا اور عفو و درگزر سے کام لیا۔ اس واقعے کے پس پردہ منافقین کے سرغنہ عبد اللہ بن ابی کا ہاتھ تھا جو یہودیوں سے ساز باز میں ملوث تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک روز منبر پر مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو مجھے اس اذیت ناک اور ناپاک سازش سے جو میری آبرو کے خلاف پھیلائی گئی ہے، نجات دلا کر انصاف کا تقاضا پورا کرے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور غصے میں عرض کیا کہ میں قبیلہ اوس کا سردار ہوں اور اس بے عزتی کے بدلے میں اس شخص کا سر تلوار سے جدا کر دوں گا چاہے وہ میرے قبیلے کا ہو یا دوسرے قبیلے کا۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ جو ان کے حریف قبیلے خزرج سے تعلق رکھتے تھے، سخت برہم ہوئے اور ان کے بیان پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ دوسروں کو ہمارے بارے میں کچھ کہنے کا اختیار نہیں ہے۔ ہم اسے اپنے معاملات میں مداخلت تصور کرتے ہیں۔ اس پر دونوں طرف کے لوگ کھڑے ہو گئے اور میان سے تلواریں نکل آئیں لیکن آنحضور ﷺ نے انہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔

اس بہتان کی افواہیں کم و بیش ایک مہینے تک شہر میں اڑتی رہیں۔ آخر ایک روز نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: "عائشہ مجھے تمہارے متعلق یہ خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے کہ اللہ تمہاری براءت فرما دے گا اور اگر واقعی تم کسی گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔"

حضرت عائشہ نے جواباً عرض کیا: "آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ نہ مانیں گے۔ اور اگر خواہ مخواہ میں ایک ایسی بات کا اعتراف کر لوں جو میں نے نہیں کی اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے نہیں کی تو آپ لوگ مان لیں گے۔ اب میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہی بات کہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کی تھی کہ فصبر جمیل۔

اس کے بعد آنحضور ﷺ پر اس سلسلے میں وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان فرمایا۔ یہ سورۂ نور کی آیت نمبر گیارہ سے اکیس ہیں۔

اس وحی کے نزول نے تمام متعلقین کو بے حد محظوظ کیا اور انہیں اطمینان نصیب ہوا۔ حضرت عائشہ کی والدہ نے ان سے کہا کہ وہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں جائیں، لیکن حضرت عائشہ نے کہا کہ مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے اللہ کا شکر کیوں نہ بجا لاؤں۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد اور ابن ہشام)

# اق

**٭ اقرع بن حابس:** صحابی رسول۔ پورا نام فراس بن حابس بن عقال بن محمد بن سفیان تھا۔ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد فتح مکہ، غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف میں شریک رہے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں بنو دارم بن مالک کے صدقات کی فراہمی کے لئے عامل مقرر کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے حضرت عثمان کے عہد میں جوز جاج فتح کیا اور وہیں وفات پائی۔

⇐ نبی مصطلق، غزوہ + عبد اللہ بن ابی۔

# اک

**٭ اکیدر دومہ:** صاحب دومۃ الجندل کے خطاب سے مشہور ہیں۔ عبد الملک کے بیٹے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس نامہ مبارک ارسال فرمایا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔

## ال

❊ **الازلام و الیسار:** کعبہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کئی عہدوں میں سے ایک عہدہ۔ اس کا مقصد محکمہ مال کا انتظام کرنا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں صفوان بن امیہ اس عہدے پر فائز تھا۔

⇐ صفوان بن امیہ + کعبہ + مکہ۔

❊ **الرحیق المختوم:** بیسویں صدی کے اواخر کی سیرت طیبہ کی ایک مستند کتاب جسے مولانا صفی الدین مبارک پوری نے تصنیف کیا۔ سات سو چھیاسی صفحات کی اس کتاب کو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے سیرت نگاری کے عالمی مقابلے میں اول انعام (پچاس ہزار ریال) کا مستحق ٹھہرایا۔ پہلے یہ کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، لیکن بعد میں مصنف نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا جو لاہور سے شائع ہوا۔

❊ **الکوکب الدری:** ترمذی شریف کی احادیث پر مولانا رشید احمد گنگوہی کی تقاریر کا مجموعہ۔ یہ مجموعہ دو جلدوں میں ہے۔

⇐ رشید احمد گنگوہی + ترمذی شریف۔

❊ **اللہ:** اس کائنات میں موجود چھوٹی بڑی ہر چیز کا خالق اور مالک اور پروردگار اور رب۔ ہم اسی کی عبادت کرتے اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ کافر اور مسلمان میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ کافر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں اور اردگرد کی چیزوں کی عبادت کرتا ہے اور مسلمان محض ایک رب خدائے واحد اللہ عزوجل کی عبادت کرتے ہیں۔

## ام

❊ **ام ابی ہریرہ:** صحابیہ، حضرت ابوہریرہ کی والدہ۔ پورا نام امیمہ بنت صفیح بن حارث تھا۔ نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی تھی۔

❊ **ام الفضل:** صحابیہ۔ اصل نام لبابہ بنت حارث بن حزن تھا۔ ام المؤمنین حضرت میمونہ اور حضرت اسما بنت عمیس کی بہن تھیں۔ ان کی والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا۔ نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس سے نکاح ہوا اور حضرت خدیجہ کے بعد اسلام لائیں۔ حضرت عباس کے ساتھ مدینہ ہجرت کی۔ ان کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ حضرت ام الفضل سے تیس احادیث مروی ہیں۔

❊ **ام القریٰ:** بستیوں کا مرکز۔ مکہ مکرمہ کو یہ نام دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں یہ لفظ آیا ہے (۶=۹۲)(۴۲=۷)(۲۸=۵۹)۔ ⇐ کعبہ + مکہ۔

❊ **ام المؤمنین:** مؤمنوں کی ماں۔ اس سے مراد وہ تمام پاک عورتیں ہیں جو نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ⇐ ازدواجی زندگی + ازواج مطہرات۔

❊ **ام ایمن:** نبی کریم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی کنیز۔ ان کا اصل نام برکہ تھا اور کنیت ام ایمن تھی۔ آنحضرت ﷺ کی پرورش بھی انہوں نے کی۔ پہلا نکاح حضرت عبید بن زید سے ہوا۔ جب حضرت عبید بن زید غزوہ حنین میں شہید ہوگئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے کرادیا۔ پہلے حبشہ کی ہجرت کی اور پھر وہاں سے مدینہ کی ہجرت کی۔

حضرت ام ایمن کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے: ایمن اور اسامہ۔ ام ایمن نے حضرت عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی۔

⇐ آباو اجداد نبویؐ + عبداللہ بن عبدالمطلب + حنین، غزوہ + ہجرت حبشہ + ہجرت نبوی۔

❊ **ام حبیبہ:** ام المؤمنین، ابوسفیان کی بیٹی۔ اصل نام رملہ بنت ابوسفیان تھا۔ والد کا نام ابوسفیان بن سخار بن حرب بن امیہ تھا۔ آپؓ کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا جو حضرت عثمان غنی کی سگی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہؓ کا اولین نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا تھا جو حرب بن امیہ کا ساتھی تھا۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور دونوں میاں بیوی نے ایک ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کی جہاں ان کی صاحبزادی حبیبہ تولد ہوئیں۔ کچھ عرصے بعد عبداللہ بن جحش آوارہ منش ہوگیا اور نہ صرف شراب نوشی کرنے لگا بلکہ اسلام سے مرتد ہو کر نصرانیت اختیار کرلی۔ اس نے حضرت ام حبیبہ کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ثابت قدم رہیں اور اپنا مذہب نہیں چھوڑا۔ اپنے شوہر کے مرتد ہونے سے پیشتر ایک خواب دیکھا تھا جس میں انہیں اپنے شوہر کا چہرہ نہایت مکروہ شکل میں نظر آیا تھا۔ ان کو اس پر سخت پریشانی اور تردد لاحق ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا نے خیال کیا کہ ضرور کوئی نہ کوئی مصیبت یا پریشانی آنے والی ہے۔ دوسرے دن عبداللہ نے صبح صبح ان سے تذکرہ کیا کہ اس نے نہایت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے کہ وہ نصرانی مذہب اختیار کرلے، کیونکہ اس کے خیال میں یہی سب سے بہتر مذہب ہے۔ حضرت ام حبیبہ نے اسے بہت سمجھایا، لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بقیہ تمام عمر نصرانی ہی رہا بلکہ حضرت ام حبیبہ کو بھی نصرانیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن حضرت ام حبیبہ بھی اپنی دھن کی پکی تھیں۔ اس پر عبداللہ نے عیش پرستی زندگی گزارنا شروع کی اور خود کو شراب نوشی میں غرق کردیا جس کی وجہ سے وہ بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

عبداللہ بن جحش کے انتقال کے بعد حضرت ام حبیبہ دیار غیر میں تن تنہا رہ گئیں لہٰذا ان کی عدت ختم ہونے پر حضور ﷺ نے عمر بن امیہ کے توسط سے نکاح کا پیغام بھجوایا۔ اس تجویز کے پس پردہ آپ ﷺ کا ایک مقصد مسلمان خاتون کو مصیبت اور پریشانیوں سے نجات دلانا تھا تو دوسری جانب انہیں نصرانیوں کے مذہب سے بچانا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ابوسفیان کو بھی کہ جو مسلمانوں کا کھلا دشمن تھا، مطمئن کرنا تھا۔ ابوسفیان حضرت ام حبیبہ کے والد تھے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق اہل مدینہ نے حضور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ وہ حضرت ام حبیبہ کو اپنے نکاح میں قبول کرلیں تاکہ وہ دوبارہ آباد ہوجائیں اور اپنے کافر باپ کے ہاتھوں میں جانے سے بھی بچ جائیں۔

حبشہ کے فرمانروا نجاشی نے حضور ﷺ کا پیام نکاح اپنی باندی ابرہہ کے ذریعے حضرت ام حبیبہ کو پہنچایا اور ان سے دریافت کرایا کہ ان کی جانب سے اس معاملے میں کوئی نمائندہ مقرر کیا جائے تاکہ وہ تفصیلات طے کرے۔ حضرت ام حبیبہ کو اس پیغام ملنے کی اتنی خوشی ہوئی کہ انہوں نے ابرہہ کو فوری طور پر چند چاندی کے زیورات بطور انعام مرحمت فرمائے اور اس کا ذکر خالد بن سعید سے کیا اور انہیں حضور ﷺ سے اپنے نکاح کی رسم کا نمائندہ منتخب کردیا۔

اسی شام نجاشی نے تمام مہاجر مسلمانوں کو جمع کیا جس میں حضرت جعفر بن ابوطالب بھی شامل تھے اور بذات خود نکاح کا خطبہ پڑھا اور حضور ﷺ کی جانب سے چار ہزار دینار بطور مہر حضرت ام حبیبہ کو ادا کئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ مہر کی رقم چار سو درہم تھی۔ نکاح کی ادائیگی کے بعد حضرت خالد بن سعید نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق دعوت ولیمہ منعقد کی جائے گی لہٰذا انہوں نے تمام حاضرین کی دعوت کی۔ بعض روایات کے مطابق بادشاہ نجاشی نے اپنی طرف سے اس ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس نکاح کے وقت حضرت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶ یا ۳۷ سال تھی اور یہ واقعہ ۶ ھ یا ۷ ھ میں پیش آیا تھا۔ مہر کی رقم میں سے حضرت ام حبیبہ نے مزید پچاس دینار ابرہہ کو دیئے۔ لیکن اس نے نہ صرف دینار بلکہ وہ زیور بھی انہیں واپس کردیا جو اس سے پیشتر اس نے لیا تھا اور ان سے کسی قسم کی رقم یا انعام و اکرام لینے سے اس بنا پر انکار کردیا کہ اسے اس کی ممانعت ہے۔

حضرت ام حبیبہ نہایت دین دار، صحیح العقیدہ مسلمان تھیں اور دین کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت برتنے کو تیار نہیں تھیں چاہے وہ ان کے عزیز ترین رشتے دار کیوں نہ ہوں۔ ایک مرتبہ ابوسفیان مدینہ منورہ آئے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) تاکہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں توسیع کی گفت و شنید کریں۔ اپنے قیام کے دوران وہ اپنی صاحبزادی سے ملنے بھی تشریف لائے اور چاہا کہ اس بستر پر بیٹھ جائیں جو حضور ﷺ کے آرام کے لئے مخصوص تھا، لیکن حضرت ام حبیبہ کو گوارا نہ ہوا کہ حضور ﷺ کے بستر پر کوئی غیر مسلم شخص بیٹھ جائے لہٰذا

انہوں نے فوراً اسے تہہ کر دیا۔ ابو سفیان کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور انہوں نے اپنی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، کیا تمہاری نظر میں اس بستر کی قدر و قیمت تمہارے باپ سے بڑھ کر ہے۔ ام حبیبہ نے جواباً عرض کیا کہ یہ بستر حضور ﷺ کا ہے اور آپؓ چونکہ غیر مسلم ہیں، لہٰذا آپؓ نجس ہیں۔ اس پر ابو سفیان بولے، میرے بعد تم نے کئی بری عادتیں اختیار کر لی ہیں۔

حضرت ام حبیبہ جملہ احادیث مبارکہ کی سختی سے پابند تھیں اور دوسروں کو بھی سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضور ﷺ کی زبانی سنا تھا کہ جس نے دن میں بارہ رکعات نفل ادا کئے اسے جنت الفردوس میں جگہ ملے گی۔ اس کے بعد آپؓ نے کبھی ان نوافل کی ادائیگی میں سستی نہیں برتی۔

حضرت ام حبیبہ نے اپنے والد کے انتقال پر صرف تین روز کا سوگ منایا جو اس زمانے کے دستور کے خلاف تھا اور فرمایا کہ مسلمان خواتین کو اپنے عزیزوں کے لئے تین دن سے زیادہ سوگ کرنا مناسب نہیں البتہ اپنے شوہروں کے لئے وہ چار ماہ اور دس دن تک رنج و غم کر سکتی ہیں۔

حضرت اُمّ حبیبہ نہایت خلوص اور محبت کا پیکر تھیں اور آنحضرت ﷺ کی پرستار۔ آپؓ میں خوف خدا اس درجہ موجود تھا کہ بحالت نماز تمام مسلمانوں کی مغفرت کے لئے دعا مانگتی تھیں اور اپنے والد ابو سفیان کی نجات کے لئے بھی۔ حضرت ام حبیبہ کو پسماندہ، غریب، غربا، یتیموں اور بیواؤں کا بڑا خیال رہتا۔ ایک مرتبہ کسی غریب مسلمان کی وفات کے بعد آپؓ نے اس کے تمام بچوں کی کفالت کا ذمہ لیا اور انہیں بالغ ہونے تک اپنے پاس رکھ کر پرورش فرمائی۔

حضرت عثمانی غنی کے دور خلافت میں جب باغیوں نے انہیں محصور کر دیا تھا اور گھر والوں کو غذا اور پانی کی رسد پہنچانا دشوار ہوگئی تو حضرت اُمّ حبیبہ نے انہیں پانی کا مشکیزہ پہنچانا چاہا، لیکن انہیں گھر میں جانے سے روک دیا گیا اور پانی کے مشکیزے میں سوراخ کر دیا گیا۔

حضرت اُمّ حبیبہ نے ۶۶ھ میں ۳۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس وقت ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ کا دور حکومت تھا۔ وفات سے قبل انہوں نے حضرت عائشہ کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ ہم دونوں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہیں اور ایک ساتھ رہی ہیں لہٰذا اس دوران اگر مجھ سے کوئی ایسی باتیں سرزد ہوگئی ہو تو آپ مجھے معاف فرما دیجئے اور میری نجات اور مغفرت کے لئے دعا کریں۔ اس پر حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ مجھے آپ کی جانب سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی بلکہ آپ کی طرف سے خوشی حاصل ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؓ سے راضی ہو۔

حضرت اُمّ حبیبہ سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ تکالیف حضرت اُمّ حبیبہ نے اسلام کی خاطر برداشت کیں۔ ان کی پیدائش ایک اعلیٰ متمول، رئیس گھرانے میں ہوئی۔ اپنے وقت کی حسین خاتون تھیں، لیکن اپنے دین اور مذہب کی خاطر تمام تکالیف اور مصیبتیں جھیلنا قبول کیا۔ اپنے گھر کے عیش و آرام کو چھوڑ کر محض دین کی خاطر ایک اجنبی ملک میں ہجرت کرنا پسند فرمایا۔ اس دور کے حالات میں ایک تنہا عورت کے لیے اتنی زبردست قربانی دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ جب ایک غیر ملک میں ان کے شوہر نے بھی ان کو یکہ و تنہا دنیا کی ٹھوکریں کھانے کو چھوڑ دیا تھا، تب بھی ان کے پائے استقامت میں مطلق جنبش نہ ہوئی اور نہایت صبر و استقلال سے تمام پریشانیوں کا مقابلہ کیا اور اسلام پر قائم رہیں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ثابت قدمی اور پارسائی کا بدلہ اس صورت میں عطا کیا کہ آپ کو رسول اللہ کی زوجہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ⇐ ازدواجی زندگی + عائشہؓ + ابو سفیان۔

**✽ ام حرام:** صحابیہ۔ باپ کا ن ملحان بن خالد اور ماں کا نام لیکہ بنت مالک تھا۔ مدینہ میں پیدا ہوئیں۔ انصار کے قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُمّ حرام، اُمّ سلیم کی سگی بہن تھیں اور نبی کریم ﷺ کی رشتے میں خالہ۔ حضرت اُمّ حرام کا پہلا نکاح عمرو بن قیس انصاری سے ہوا جو غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔ دوسرا نکاح عبادہ بن صامت سے ہوا۔ نبی کریم ﷺ جب بھی قبا تشریف لے جاتے تو اُمّ حرام ہی کے گھر کھانا کھاتے اور قیلولہ فرماتے۔ نبی

کریم ﷺ نے جہاد کے حوالے سے ایک خواب دیکھا کہ آپ ﷺ کی اُمت کے چند لوگ کشتیوں میں سوار سمندر میں جا رہے ہیں۔ اُمّ حرام نے بھی اس قافلے میں شرکت کی خواہش اور دعا کی درخواست کی۔ یہ خواہش اور دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت عثمان کے عہد میں حضرت امیر معاویہ نے جزیرۂ قبرص پر حملے کے لئے بحری بیڑہ تیار کیا تو اُمّ حرام بھی اس میں شامل تھیں۔ فتح حاصل کرنے کے بعد جب مجاہدین واپس لوٹنے لگے تو اُمّ حرام جانور پر بیٹھتے وقت گر گئیں اور زخمی ہو گئیں۔ اس صدمے سے ان کی وفات ہوئی۔ اُمّ حرام سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

⇐ احد، غزوہ + اُمّ سلیم + خزرج، بنو۔

**❋ ام حکیم بنت حارث:** صحابیہ۔ مکہ میں پیدا ہوئیں۔ باپ کا نام حارث بن ہشام اور والدہ کا نام فاطمہ بنت ولید تھا۔ اُمّ حکیم خالد بن ولید کی بھانجی اور قریش کے خاندان بنی مخزوم سے تھیں۔ ابتدا میں اپنے شوہر عکرمہ اور سسر ابوجہل کے ساتھ مل کر اسلام کے خلاف سازشیں کیں، لیکن فتح مکہ کے موقع پر اپنی والدہ کے ساتھ مسلمان ہو گئیں۔ جب عام معافی کا اعلان سنا تو اپنے شوہر عکرمہ کو یہ بات بتائی۔ وہ اور عکرمہ، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر صدق دل سے اسلام قبول کیا اور اسلام کی خدمت شروع کر دی۔ آخر کار عکرمہ اجنادین کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ ام حکیم نے دوسرا نکاح خالد بن سعید بن عاص سے کیا۔ یہ نکاح مسلمانوں کی عیسائیوں سے لڑائی کے دوران ہوا۔ ابھی ولیمہ کی دعوت سے لوگ فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رومیوں نے حملہ کر دیا۔ خالد بن سعید لڑنے کے لئے آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔ اسی لڑائی میں آپؓ نے بھی ۹ رومیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اس جنگ کے بعد حضرت عمر کے دور میں جنگ یرموک میں بھی شرکت کی۔

⇐ ابوجہل + عکرمہ بن ابی جہل + فتح مکہ۔

**❋ ام درداء:** صحابیہ۔ حضرت ابودراد کی زوجہ۔ خیرہ بنت ابوحدرد نام تھا اور قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتی تھیں۔ عورتوں میں بڑی صاحب الرائے تھیں۔ حضرت ابودرداء کی وفات سے دو سال پہلے شام میں حضرت عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی۔

**❋ ام رومان:** حضرت ابوبکر صدیق کی زوجہ اور حضرت عائشہ کی والدہ۔ قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تعلق رکھتی تھیں۔ پہلا نکاح عبداللہ سے ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر سے نکاح ہوا۔ ابوبکر کے ساتھ اُمّ رومان بھی مسلمان ہو گئیں۔ ۹ ھ میں انتقال ہوا اور نبی کریم ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔

**❋ ام سلمہ:** ام المؤمنین۔ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ۔ اصل نام ہند تھا اور "ام سلمہ" کنیت تھی جو آپ کے صاحبزادے سے ملی تھی۔ آپ کا سلسلہ نسب بنی مخزوم خاندان سے تھا جو قریش کی ایک شاخ تھی۔ ان کے والد کا نام ابوامیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھا اور وہ اپنے قبیلے کے سردار اور زبردست شہسوار مانے جاتے تھے۔ والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر تھا۔ والد متمول اور سخی انسان تھے اور مکہ مکرمہ کے ممتاز لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کا دستور تھا کہ جب کسی کارواں کی رہنمائی کرتے تو اس میں شامل تمام لوگوں کی کفالت کا ذمہ لیتے، اسی لئے انہیں عرف عام میں "زادالراکب" کا خطاب دیا گیا اور اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ اسی متمول گھرانے میں اور ایسی بلند خصوصیات کے حامل والدین کے ہاتھوں حضرت اُمّ سلمہ کی پیدائش اور تربیت ناز و نعم سے ہوئی۔ چنانچہ حضرت اُمّ سلمہ کی ذات میں اوصاف حمیدہ اور ذہنی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

حضرت اُمّ سلمہ کا اولین نکاح ابوسلمہ حضرت عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا جو رشتے میں آپ کے چچیرے بھائی اور حضور ﷺ کے منہ بولے بھائی بھی تھے۔ حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت ابوسلمہ کو ایک دوسرے سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ اُمّ سلمہ نے ابوسلمہ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت، مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں اسی